عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی !!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ/مارچ ۲۰۱۲ء

RegNo.P476

جلد:دھم

شمارہ:7

فہرست

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/200روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل: physiologist72@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

www.darwaish.org

اسلام کا نظریۂ تعلیم (۱۹۶۸۔۱۰۔۲۳) (قسط۔۲)

(حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ)

ایک اور حدیث میں آتا ہے خشیت مطلوبہ جو چیز ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

اللّٰھم انی اسئلک من خشیتک ما تحول بہ بیننا و بین معاصیک

ترجمہ: اے اللہ ہم تیری ایسی خشیت کو چاہتے ہیں جو کہ حائل ہو جائے ہمارے اور گناہوں کے درمیان۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں **انا اعلم عند اللّٰہ و اخشکم للّٰہ و فی رواتہٖ و اتقکم للّٰہ**

ترجمہ: میں تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا ہوں، اور اس وجہ سے میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں اور دوسری روایت کے لفظ ہیں تم سب سے زیادہ خدا کا تقویٰ رکھنے والا ہوں۔

یعنی جتنا علم الٰہی آتا جائے، خشیت الٰہی آتی جائے، تقویٰ پیدا ہوتا چلا جائے۔ سب سے بڑا متقی وہی ہوگا جو سب سے زیادہ علم کا رکھنے والا ہے۔ لہٰذا اگر تقویٰ ہماری ذات میں نہیں تو ہم علم صحیح کے رکھنے والے نہیں۔ علم کے متعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **اللّٰھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع** اے اللہ میں اس علم سے پناہ چاہتا ہوں جو کہ نفع نہ دے۔ علم کا نفع نہ دینا کیا ہے؟ آپ ایک درخت لگاتے ہیں آم کا لیکن اس آم کے درخت میں نہ تو پتے آئیں اور نہ پھل آئے تو کہا جائے گا کہ اس درخت نے پھل نہیں دیا، اگر اس میں پھل آجائے تو یہ آم کے درخت کا فائدہ ہوگا۔ اسی طور پر جس علم کا نتیجہ تقویٰ ہے اور خشیت ہے وہ علم فائدہ مند ہوگا۔ کسی نے کہا ہے اچھا کہا ہے۔

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا

جب صرصر عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

(صرصرِ عصیاں گناہوں کی تیز آندھی)

عصیاں کے ساتھ تقویٰ اور علمِ الٰہی کا درخت باقی نہیں رہ سکتا۔ امام شافعیؒ کے استاد وقیعؒ کے لفظ ہیں کہ یہ اللہ کا نور ہے اور یہ عاصی کو نہیں دیا جاتا۔ علم حقیقی اور علم الٰہی گناہوں کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔ گناہوں کی ظلمت علم کی حقیقت کو، علم کے نور کو، علم کی برکت کو ختم کر دیا کرتی ہے۔ اس لیے ہمارے بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر علم کی برکت کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو علم کے برتن کو صاف کرلو اور علمِ الٰہی کا برتن دل ہے۔ اگر دل درست ہو جائے گا تو علم باقی رہے گا ورنہ اس کی برکات باقی نہیں رہیں گی، اس کے انوارات باقی نہیں رہیں گے اس کا حاصل باقی نہیں رہ سکے گا ۔قرآن کریم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق واضح الفاظ ہیں، آپ معلم الناس ہیں آپؐ کے فرائض معلّمی میں یہ بات بتائی گئی

یتلو علیهم ایاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمه

آپؐ کے ذمے تلاوت بھی ہے اور تلاوت کے ساتھ دل کی صفائی کا بھی کام ہے یعنی تزکیۂ قلبی بھی ہے، تزکیۂ نفوس بھی ہے۔ دلوں کو بھی پاک کریں نفسوں کو بھی پاک کریں اور اس کے بعد پھر تعلیم کتاب وحکمت ہے۔ کتاب وحکمت وہیں اپنا رنگ ڈالے گی اور اس کی بہار وہیں آئے گی جہاں تزکیہ بھی ہو جہاں تقویٰ بھی ہو۔ تزکیہ یعنی دل کی صفائی کہ دل سے کبر، حسد، کینہ، ریا خالی ہو چکا ہو اور تقویٰ یعنی عمل کرتے ہوئے اللہ کا ڈر پیدا ہو گیا ہو۔ جہاں تزکیہ اور تقویٰ کا بیج نہیں ہوتا وہاں کی کھیتی سرسبز و شاداب نہیں ہوا کرتی۔ اس لیے یوں کہتے ہیں کہ دلوں کی صفائی علم کا تقاضا ہے علم کے باقی رکھنے کے لیے، یعنی دینی علم نِرے الفاظ کا نام نہیں بقول امام مالکؒ کے لیس العلم بکثرت روایات، علم کثرت روایات کا نام نہیں ہے، یہ تو ایک زندگی ہے۔ ترمذی کی ایک روایت میں آتا ہے، روح المعانی میں حاکم کے حوالے سے بھی روایت کیا ہے، فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "علم کا جو سب سے پہلا حصہ اٹھایا جائے گا وہ نماز کا خشوع ہوگا۔" خشوع آپ جانتے ہیں، لغت کی کتابوں میں دیکھ لیجیے کہ خشوع اس سکون کی کیفیت کو کہتے ہیں جو کہ اللہ کے ڈر کی وجہ سے انسان کے قلب میں پیدا ہو جاتی ہے اور انسان کے اعضاء بھی اللہ کی عظمت کے آگے ساکن اور پرسکون ہو جاتے ہیں۔ یعنی خشوع ایک کیفیت حالی کا نام ہے علم کو نہیں کہتے بلکہ

خشوع ایک کیفیت عملی کا نام ہے۔لیکن حدیث میں علم کا لفظ ہے کہ علم میں جو پہلی چیز اٹھائی جائے گی وہ نمازوں کا خشوع ہوگا۔گویا کہ قرنِ اوّل میں وہ کیفیات جو علم کے نتیجے کے طور پر پیدا ہوتی تھیں انھیں بھی علم کا نام دیا جاتا تھا۔اس کے بعد فرمایا کہ قرن بہ قرن دین کی چیزیں اٹھتی چلی جائیں گی آخر یہاں تک کہ نماز کی ظاہری صورت دین کی آخری چیز ہوگی جو اٹھائی جائے گی یعنی لوگ نماز پڑھنا چھوڑ دیں گے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دیکھو قرن اوّل میں علم و عمل دونوں یکجا تھے دونوں اکٹھے چل رہے تھے، ایک ہی سُوتا (چشمہ) خدا کی ذات سے چلتا اور ہمارے دل کے اندر حقائق کو کھولنے کے رُخ سے آتا تھا تو علم تھا اور اگر عمل پر ڈال دیتا تو عمل تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے بخاری کی روایت ہے، ’’میری مثال اور اس علم کی مثال جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں بارش کی بدلیوں کی ہے کہ بارش کسی زمین پر برستی ہے۔اب اگر زمین نرم ہے تو اس پانی کو سنبھالے گی اور پانی کو اندر لے لے گی تو لوگ اس سے سیراب بھی ہوں گے اور اس میں کھیتیاں بھی لہلہائیں گی اور سرسبز و شاداب بھی ہوگی لیکن ایسے لوگ جو کہ سخت زمین کی طرح ہیں وہ اس کی طرف توجہ نہیں کریں گے۔اور فرمایا کہ جو میری طرف متوجہ نہیں ہوتے اور میرے علم کو نہیں لیتے ان کی مثال ان پتھر جیسی زمینوں کی ہے کہ علم کو نہ تو لیتے ہیں اور نہ اسے سنبھالتے ہیں۔‘‘ لیکن جو علم کو لے لیں گے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ علم کی حقیقت کو اپنائیں گے اور سنبھالیں گے اور علم کی سرسبزی اور شادابی سے وہ خود بھی فائدہ اٹھائیں گے اور دوسروں کو بھی فائدہ دیں گے۔ تو میں نے یہ عرض کیا کہ علم الٰہی آئے گا تو اس کے ساتھ یقین الٰہی آئے گا۔

سورۂ تکاثر میں علم ہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یقین کے تمام مراتب کو منسلک کر دیا اس کے مطابق عین الیقین علم کی وہ انکشافی کیفیت ہے کہ جو علم انسان کے دل پر اپنا پرتو حقیقت کے رُخ سے ڈالتا ہے، جیسے آپ گھپ اندھیرے میں سرچ لائٹ ڈالیں تو جتنی بھی چیزیں ہوں گی وہ روشن ہوتی جائیں گی اسی طور پر جب قلب پر خدا کے علم کا حقیقی نور پڑتا ہے تو پورا دل روشن ہو کر اس پر حقائق ایسے منکشف ہو جاتے ہیں جیسے کہ آنکھوں دیکھی چیز ہوتی ہے اور اس وقت انسان

دلائل کا محتاج نہیں رہتا، جب حقائق کھل جائیں تو انسان دلائل کے پیچھے نہیں پھرا کرتا۔ جیسے کہ مولانا رومؒ نے فرمایا

ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

آفتاب سامنے آجائے تو پھر انسان آفتاب کی دلیل نہیں ڈھونڈا کرتا۔اسی طور پر جب انکشافی علم کا انتہائی درجہ انسان کو میسر آجائے تو انسان دلائل کے پیچھے نہیں پھرے گا۔

سب سے پہلا کلمہ علم کا کیا ہے وہ معتقدات یا عقیدے ہیں خدا کی طرف سے جن کی دعوت دی گئی یعنی مغیبات، وہ مشاہدات کی طرح ہو جائیں گے۔ جتنا علم بڑھتا جائے گا اتنا یقین بڑھتا چلا جائے گا۔ جتنا یقین خدا کی ذات پر، خدا والے عقیدوں پر اور آخرت کی زندگی پر بڑھتا چلا جائے گا نتیجہ یہ ہوتا چلا جائے گا کہ انسان آخرت کی زندگی کے رخوں پر چلنے والا بنے گا اور انسان کی زندگی میں انقلاب آئے گا جو انسان کے جملہ اعمال کو بدل کر رکھ دے گا۔ عالم جو ہوتا ہے وہ صرف عالم نہیں ہوتا دیکھو یہ بھی لطیفے کی بات ہے ہمارے بزرگ فرمایا کرتے ہیں علم وعمل کے الفاظ ایک ہی ہیں علم پہلے آتا ہے ع ل م اور عمل اس کے بعد میں آتا ہے ع م ل اور اس میں ایک اور نکتہ میں اپنی طرف سے عرض کروں دیکھیں عربی کی ابجد میں ''ل'' کے بعد ''م'' آتا ہے، جو علم کے حروف ہیں وہ عمل کے حروف ہیں جہاں علم ہوگا، جس کے اندر علم کے یہ تین حروف حقیقی رُخ سے آجائیں گے اس کے اندر عمل بھی آئے گا۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سب سے پہلا علم کا اثر کیا ہے؟ اسلامی نکتہ نظر سے کہ انسان کے اندر یقینِ خداوندی پیدا ہو جائے اور یقین خداوندی کے نتیجے کے طور پر دوسری بات یہ کہ انسان کے اندر عمل پیدا ہو جائے۔ عالم جو ہوگا وہ باعمل ہوگا۔ ربّانی جو ہوگا وہ ایسا نہیں ہوگا کہ صرف باتوں کے بتانے والا ہو اور اس پر عمل کرنے والا نہ ہو۔ اس کے بعد دوسری چیز یہ ہوگی کہ علم کا تقاضا کیا ہے؟ دیکھو! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے **بعثت بجوامع الکلم** مجھے جوامع کَلِم کے ساتھ مبعوث کیا گیا یعنی چھوٹی لیکن سمندروں سے زیادہ معانی والی باتوں کے ساتھ بھیجا گیا۔ یہاں لوگوں نے جب حدیث کا انکار کرنا شروع کر دیا تو ہمارے ایک استاد تھے وہ

کہنے لگے کہ اگر یہ اہلِ زبان کے ہاں ہوتے، مصر میں ہوتے، تو انھیں مجنون کہا جاتا، دیوانے کہا جاتا۔ احادیث کی تو تعلیمات ہی ایسی ہیں کہ اگر کافر بھی سُن لے اور پڑھ لے تو وہ بھی ایمان لے آئے۔ ایک ایک حدیث کو اگر آپ دیکھیں تو اس میں علوم کے سمندر ہیں۔ ایک حدیث میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سرسبز و شاداب رکھے اس شخص کو جس نے ہماری کسی بات کو سُنا پھر اس نے اسے پہنچا دیا اس رُخ سے جیسے اس نے ہم سے سُنا ہے۔

اب دیکھو یہاں کیا بات ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے کوئی بات سُنی تو وہ علمِ الٰہی ہے، خدا کی بات ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجے میں اب بات سنی تو بات کا حق اس پر لازم ہو گیا کہ وہ اسے سنبھالے۔ اسی لیے بعض اوقات صحابی جو حدیث کہتے ہیں کہ کانوں نے سُنا دل نے سنبھالا۔ اب دِل نے سنبھالا اور سنبھالنے کے بعد اگلی بات کیا ہوئی؟ اگلی بات یہ ہوئی کہ آگے پہنچاؤ، اور پہنچانے پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا دیتے ہیں کہ اللہ اسے سرسبز و شاداب رکھے۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ حضورؐ نے اپنے علوم کی مثال پانی سے دی ہے۔ جیسے پانی کھیتیوں کے لہلہانے کا اور ان کی آبادی سرسبزی اور شادابی کا ذریعہ ہے ایسے علمِ الٰہی کی دعوت و تبلیغ اور اس علم کو دوسروں تک پہنچانا دین کی زندگی کے لیے شادابی اور سیرابی کا ذریعہ ہے۔ علمِ دین آتا رہے اور پہنچایا جاتا رہے تب تک دین قائم ہوگا اور جب علم دین نہیں ہوگا دین باقی نہیں رہے گا۔ اسی لیے گویا جو حقیقت پانی کی کھیتیوں کے لیے ہے وہی علمِ دین کے پہنچانے کی حیثیت ہے۔ دین کی بقاء کے لیے اس وقت تک دینِ صحیح باقی ہوگا جب تک علم صحیح رُخ سے پہنچایا جاتا رہے گا۔ اس میں ایک بات میں تفصیل سے کہہ دوں دیکھو! آتا ہے لوگوں سے باتیں کرو ان کی عقلوں کے مطابق یعنی ایسی بات نہ ہو کہ وہ تمہاری بات کو نہ سمجھ کر انکار ہی کر دیں۔ اب یہ رخ ہے کہ دعوت جسے حکیمانہ دعوت کہتے ہیں اس علم کا تیسرا تقاضا ہے یعنی یہ علم میراثِ نبوت ہے، میراث نبوت کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی یہ امانت ہے اس امانت کو دوسروں تک پہنچایا جائے گا۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

۲۰۱۱ء کے سالانہ گرمائی اجتماع کے موقع پر چترال کے علاقہ بمبوریت میں بیان

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

عام طور پر ساتھی مجھ سے کہا کرتے ہیں کہ تمہارا گرمیوں کا اجتماع بس ایسے ہی سیر سپاٹا ہوتا ہے۔لوگ ایسے ہی سیر سپاٹے کی نیت سے جاتے ہیں۔اللہ کا شکر ہے کہ سیر سپاٹا بھی ناجائز نہیں ہے۔ ۱۹۶۴ء میں ہمارے اسلامیہ کالج کے دو ساتھی تھے، دونوں کے اللہ درجات بلند فرمائے، اب ان کی وفات ہو چکی ہے، ایک ہمارے علاقے کے تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ یہاں ایک تبلیغی اجتماع ہو رہا ہے، آپ ہمارے ساتھ چلے جائیں تو اچھا ہو۔میں نے کہا اجتماع کیا ہوتا ہے بس تقریریں وغیرہ ہوتی ہیں، تقریریں میں خود بھی کرسکتا ہوں، میں تو کالج کا Debator (مقرر) ہوں، اجتماع پر کیا جانے کی ضرورت ہے۔ آدمی بڑا سمجھدار تھا، اس نے کہا تقریر وقریر چھوڑو، ویلیج لائف انجائے کریں گے یعنی دیہاتی زندگی کی سیر کریں گے۔ یہ ساتھی ہری پور کے عبدالباری صاحب تھے جو بعد میں عربی کے پروفیسر ہوئے۔ ہمارے سکول کالج کی کتابوں میں مضمون ہوتے تھے ویلیج لائف، اس بنا پر میں نے کہا ٹھیک ہے، سیر کو جائیں گے۔ دوسرے ساتھی چترال کے مرید حسن صاحب تھے۔انھوں نے کہا کہ یونیورسٹی کی بس کرائے پر لی ہے اس میں بیٹھ کر جائیں گے، بڑی سیر ہوگی، دیہاتی زندگی کا لطف اٹھائیں گے۔جب انھوں نے سب کو بس میں بٹھا دیا تو مرید حسن صاحب جو امیر بھی تھے نے کہا سب پڑھیں **سبحان الذی سخر لنا ھذا** ۔انھوں نے شاید سَخَّرَ کے بجائے سَخَّرُ پڑھ لیا یعنی ر پر زبر نہیں پڑھی۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ان دنوں میں عربی کا صرف نحو پڑھا کرتا تھا۔میں نے کہا ''ادھر آؤ۔آپ نے ر پر زبر نہیں پڑھی، اس سے صیغہ بدل گیا، معنیٰ میں اتنا فرق آگیا۔'' امیر صاحب کی ڈانٹ ڈپٹ کردی۔امیر صاحب ماشاء اللہ عام امیر نہیں تھا، بنا ہوا آدمی تھا۔ ہمارے حضرت مولانا صاحب کے اوّلین مریدوں میں سے تھا۔اس نے عاجزانہ جواب دیا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، پتا نہیں تھا۔آپ کسی متکبر آدمی کو ڈنڈا ماریں سر پر اس سے اتنا اثر اس پر نہیں ہوگا لیکن اس سے عاجزانہ ایک جملہ کہہ دیں تو اس کو شکست کھانا پڑتی ہے۔واقعی کبر تواضع کے آگے شکست کھا جاتا ہے۔

اس نے جب یہ بات کہی تو میرا دل بڑا متاثر ہوا کیونکہ میرا خیال یہ تھا کہ یہ آگے سے بحث کرے گا، اس پر مناظرہ ہوگا، پھر پتا چلے گا کہ علم کس کو آتا ہے۔ اجتماع کی جگہ پر پہنچے۔ پشاور کے دیہات سربند کی کھلی زمین، اوپر شامیانے، نیچے گھاس بچھائی ہوئی۔ آدمی نے اعلان کیا ''یہیں نماز پڑھو گے، یہیں بستر بچھاؤ گے اور سوؤ گے۔'' حیرت ہوئی۔ ہم کالج کے طلبہ کیسے یہاں کھلی زمین پر سوئیں گے۔ پشاور میں اس زمانے میں دیہات میں نلکوں کا بندوبست بالکل نہیں تھا۔ آب پاشی کی نالیوں میں نہر کا پانی بہتا تھا۔ اسی سے تالاب بھر لیتے تھے، اسی پانی سے وضو کرتے تھے، اسی کو پیتے تھے۔ ہم نے کہا ''نہ اس کا پانی پیتے ہیں، نہ اس سے وضو کریں گے، یہ کوئی آدمیوں کا پانی ہے۔'' کچھ چلے پھرے تو ایک مسجد میں ہینڈ پمپ لگا ہوا ملا۔ شکر کیا کہ پانی کا تو بندوبست ہوگیا۔ شام کا بیان حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب خطیب ٹیلی فون فیکٹری ہری پور کا ہوا۔ حضرت صرف تبلیغی امیر صاحب نہیں تھے بلکہ سلسلے میں بیعت، ذاکر شاغل اور کامل آدمی تھے۔ ان کا بیان اس لئے کرایا گیا کہ وہ خود ہی اردو بیان کا پشتو میں ترجمہ بھی کرلیں گے۔ انھوں نے آیت **ظهر الفساد فی البر و البحر** ۔۔۔ کا بیان کیا اور بتایا کہ حالات کا تعلق اعمال سے ہے۔ اعمال بگڑتے ہیں تو حالات بگڑتے ہیں اور اعمال سنورتے ہیں تو حالات سنورتے ہیں۔ زبردست بیان تھا۔ یونیورسٹی والوں کے مطابق زبردست Logical Order یعنی منطقی ترتیب پر تھا۔ بہت متاثر ہوا۔ جوں بیان ختم ہوا میں نے ساتھیوں سے کہا کہ یہ بیان بہت اہم ہے، اس کو لکھ کر میں اس کا پمفلٹ شائع کرنا چاہتا ہوں تاکہ سب لوگوں کو پتہ چلے کہ مولوی صاحب نے جو بات کہی ہے وہ کتنی ضروری بات ہے۔ ساتھیوں نے کہا یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن سارے بیان کے نتیجے میں مولانا صاحب نے ایک مطالبہ کیا ہے وقت لکھوانے کا۔ اس پر میں نے وقت لکھوالیا۔ اللہ کی شان کہ وہی بنیاد بن گیا ہماری زندگی کے بدلنے کا۔

عرض یہ کررہا تھا کہ دین اور دین والوں کا رابطہ اگر فالتو نیت سے بھی ہو تب بھی وہ ایسی چیز ہے کہ سنگِ پارس ہے۔ سنگِ پارس ایک پتھر ہے، وہ لوہے یا تانبے کو چھو جائے تو وہ سونا بن جاتا ہے۔ کسوٹی دوسرا پتھر ہے، اس پر سونے کو رگڑیں تو پتا چلتا ہے کہ اس میں کتنا سونا ہے کتنا تانبا ہے۔ ہمارے بڑے حضرت جناب مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ پشاور تشریف لائے۔ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا

یہ آدمی سنگِ پارس ہے۔ جو بھی اس سے لگ جائے گا سونا بن جائے گا، کندن بن جائے گا۔ واقعی جو بھی نزدیک ہوا جو بھی قریب لگا دنیا آخرت کی برکتیں لے کر وہاں سے نکلا۔ یہ دینی مجالس اور دینی لوگ سنگِ پارس ہوتے ہیں۔ جو بھی قریب لگا بس سونا ہو گیا۔ جب دینی مجلس کی کارگزاری سنانے کے لئے فرشتے دربارِ الٰہی میں پہنچتے ہیں تو ساری کارگزاری سنانے کے بعد جب بشارت ملتی ہے کہ ان کی مغفرت کر دی گئی تو اس پر فرشتے کہتے ہیں ''یا اللہ تبارکو تعالیٰ! ایک آدمی ان میں ایسا تھا جو مجلس کی نیت سے نہیں آیا ہوا تھا۔ ایسے ہی اپنے کام کے لئے آیا تھا، ان کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔'' ارشاد ہوتا ہے اس کی بھی مغفرت ہو گئی کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں ہوتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آنے والوں میں قبول تو کوئی ہی ہو گا لیکن **لا یشقیٰ جلیسھم** کے ضمن میں ہم سارے آجاتے ہیں۔ سب قبول ہو جاتے ہیں۔ حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ حج میں واقعہ لکھا ہے کہ ابنِ مؤفق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں '' میں حج میں تھا۔ خواب دیکھا۔ دو فرشتے آسمان سے نازل ہوئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا: کتنے آدمیوں نے حج کیا؟ دوسرے نے کہا چھ لاکھ آدمیوں نے۔ پوچھا کتنوں کا حج قبول ہوا؟ دوسرے نے کہا چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا۔'' ابنِ مؤفق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں خواب سے اٹھا تو بہت زیادہ غمگین اور اداس تھا کہ یا اللہ چھ لاکھ آدمی آئے اتنا خرچہ کیا، تکلیفیں اٹھائیں، مشقتیں جھیلیں اور حال یہ ہے کہ صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا۔ اسی پریشانی میں حج کے باقی اعمال پورے کر رہا تھا کہ میں نے پھر انہی دو فرشتوں کو خواب میں دیکھا۔ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چھ کی برکت سے سب کا حج قبول کر لیا۔ یعنی ایک ایک کے بدلے ایک ایک لاکھ کا حج قبول کر لیا۔ یہ اللہ کا احسان ہے۔

اجتماع کو آتے ہوئے سخت مشقت اور تکلیف ہوئی۔ ہم راستہ بھول گئے۔ ایک ایسے رستے پر چل پڑے کہ اس پر گاڑی چلانا گویا پلِ صراط پر گاڑی چلانا تھی۔ ڈاکٹر عمران تاجک صاحب ماشاء اللہ ٹیسٹ میں اور آزمائش میں پاس ہوئے کہ انھوں نے گاڑی گزاری بھی اور واپس بھی کی۔ ہمارا تو تھانوی سلسلہ ہے۔ اس میں ہر بات منظّم ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ انتہائی محققین کا سلسلہ ہے۔ حضرت بہ یک وقت تفسیر، حدیث، فقہ، اُصولِ فقہ، منطق، فلسفہ اور تصوف کے امام تھے اس لئے سلسلے میں ہر چیز منظّم ہوتی ہے۔ آتے ہی سب سے پہلے مرتضیٰ صاحب اور ان کے ساتھی پر خوب غصہ کیا، خوب دل ٹھنڈا کیا، کہ میں

غصے کو کیوں باطن میں چھوڑوں کہ بیماری کا ذریعہ بنے۔ اس کا اظہار کرنا چاہئے۔ ان کی خوب ڈانٹ ڈپٹ کرنی چاہئے۔ اپنے سلسلے والے دوست ہیں۔ میں کتنا ہی بے تکا کیوں نہ چلوں ہمارے حضرات کی کرامتیں انھوں نے دیکھی ہوئی ہیں۔ اس لئے میری ساری سختیاں برداشت کر لیتے ہیں۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آپ سب کو سفر سے تکلیف پہنچی لیکن سچ بات یہ ہے کہ

ذلک بانھم لا یصیبھم ظما ولا نصب ولا مخمصة فی سبیل اللّٰہ ولا یطؤون موطئا یغیظ الکفار ولا ینالون من عدو نیلا الا کتب لھم بہ عمل صالح ط ان اللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین o ولا ینفقون نفقة صغیرة ولا کبیرة ولا یقطعون وادیا الا کتب لھم لیجزیھم اللّٰہ احسن ما کانوا یعملون o (سورۃ توبہ آیت ۱۲۰۔۱۲۱)

ترجمہ: ان کو اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی (تھکاوٹ) پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کہ کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی اُن سب پر اُن کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا، یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ اور (نیز) جو کچھ چھوٹا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان اُن کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام (نیکیوں میں) لکھا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے (ان سب) کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔ (معارف القرآن)

جتنا راستہ بھی آپ نے طے کیا اللہ کی رضا کے لئے طے کیا، جتنا خرچہ کیا اپنے اوپر اللہ کے راستے میں۔۔۔ اللہ کے راستے میں اپنے اوپر خرچہ کرنے کا ثواب کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ ویسے خرچ کرنے کا ثواب دہ در دنیا اور ستّر در آخرت ہے، سعدِ ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ اس پر ہمارے مولانا صاحب حساب کیا کرتے تھے۔ سات لاکھ کا حساب عام لگایا کرتے تھے اور دوسرے حساب سے ۴۹ کروڑ ثابت کر کے دیا کرتے تھے۔ اتنا تو جو آپ لوگوں نے اپنی ذاتوں پر خرچ کیا اس کا ثواب ہے۔ ایسے علاقوں میں جا کر کام کرنا جہاں کوئی دینی فضا ہی نہیں ہے۔ سچ بات ہے کہ ساری ترتیب کے فلسفی اور منطقی اثرات تو بعد کی بات ہے، روحانی اثرات پہلے کی بات ہے۔ جس فکر کے ساتھ جس جذبے کے ساتھ کسی علاقے میں کوئی آدمی قدم رکھتا ہے اس کے قدم رکھتے ہی علاقے میں اثرات آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر جو اعمال کرتا ہے تو اعمال کے اثرات آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ سنا

رہے تھے کہ ایک علاقے میں ہندو جوگی گئے اور انھوں نے اپنے جوگ کے زور سے سارے علاقے پر قبضہ کرلیا اور چھا گئے۔ کوئی اللہ والے نیک بزرگ عالم اس علاقے میں چلے گئے۔ جس دن پہنچے تو جوگیوں کو پتا چلا کہ ہمارا سحر اور جادو کا زور ٹوٹ گیا چل نہیں رہا۔ پھر ان کو اندازہ ہوا کہ ہمارے دلوں اور دماغ پر بھی بوجھ آ گیا۔ پھر وہاں سے اس جگہ کو چھوڑ کر بستی سے باہر نکلے۔ جب باہر نکلے تو بوجھ ہلکا ہوا۔ جب بھاگے وہاں سے تو بوجھ ختم ہوا۔ انھوں نے جو معلومات کیں تو اندازہ ہوا کہ ایک اللہ والے آ گئے تھے اور ان کی روحانیت کا یہ اثر تھا کہ اس کے سامنے باطل رک نہیں سکتا تھا، ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ تو یہ روحانی اثرات آتے ہیں صحیح فکر کے ساتھ صحیح عقائد کے ساتھ۔

ہندوؤں کے ساتھ ایک مناظرہ تھا۔ نوعمر مولوی صاحبان کا مناظروں کا بڑا جذبہ ہوتا ہے۔ نوعمر مولوی صاحبان مناظرے کے لئے چلے گئے۔ آگے جو ہندو مناظر آئے ہوئے تھے وہ بڑے ماہر لوگ تھے۔ ان کا ایک جوگی آ کر بیٹھا تو سب کی زبانیں بند ہو گئیں۔ اب کیا کریں مولوی صاحبان؟ تب ان کو پتا چلا کہ یہ تو منطق، فلسفہ اور فقہ و اصولِ فقہ کے دلائل سے کام نہیں ہو رہا۔ زبانیں ہی بند ہو گئیں۔ کسی نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمتہ اللہ علیہ کو اطلاع دی۔ حضرت سہارنپوری صاحب رحمتہ اللہ علیہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ حضرت مولانا زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی خلافت حضرت سہارنپوری رحمتہ اللہ علیہ سے ہے۔ حضرت مولانا الیاس رحمتہ اللہ علیہ کی خلافت بھی حضرت سہارنپوری سے ہے۔ اتنی بڑی شخصیت ہیں۔ سہارنپور کے شیخ الحدیث گزرے ہیں اور **بذل المجهول فی حل الابی دائود** ان کی کتاب ہے اور آخری زندگی مدینہ منوّرہ میں گزری ہے اور مدینہ منوّرہ میں وفات ہو کر ہی جنت البقیع میں دفن ہوئے اور اتنی بڑی شخصیت ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد جب بریلوی حضرات نے ایک کفر کا فتویٰ لکھوا کر حرمین کے علماء سے دستخط کرا دیا تھا دیوبند والوں کے خلاف تو اس کے لئے پھر دیوبند والوں نے اپنے نمائندہ عقائد کے بارے میں ایک تحریر لکھوائی۔ وہ تحریر حضرت سہارنپوری رحمتہ اللہ علیہ سے لکھوائی، المھنّد علی المفنّد اس کا نام ہے اور عقائد دیوبند کی نمائندہ کتاب یہی ہے۔ جتنے مولوی صاحبان بیٹھے ہوئے ہیں ان کو میں واضح طور پر بتا دوں کہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے کہ دیوبند کی صد سالہ تقریب میں قاری طیب صاحب کے ساتھ میں اپنے حضرت صاحب کی برکت سے سٹیج پر بیٹھا ہوں۔

دیوبند کی صد سالہ تقریب میں دنیائے اسلام سے جن چند گنے چنے لوگوں کو سٹیج پر بٹھایا گیا تھا ان میں حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ وہ پیروں سے معذور تھے اس لئے دو خادم بھی ساتھ چاہیئے تھے ان کو وہاں تک پہنچانے کے لئے ان میں سے ایک میں تھا۔ اس لئے میں نے اکابر دیوبند کو قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے پاس بیٹھا ہوں۔ ہمارے ساتھی ان دنوں کمپیوٹر پر سلسلے کی ویب سائٹ بنانا چاہتے تھے کہ ہمارے سلسلے کا سب کچھ ہر وقت کمپیوٹر سے ساری دنیا دیکھ سکے۔ اس کے لئے انھوں نے پوچھا کہ کوئی نمائندہ نشانی دینی ہوتی ہے تو کیا دیں اس پر؟ میں نے کہا ایک تو اس پر بیت اللہ شریف کا عکس لگاؤ کہ وہ عقیدے کی بنیاد ہے، ایک روضہ شریف کا عکس لگاؤ کہ سارے عقائد انہی کی برکت سے ہیں، ایک بیت المقدس کا عکس لگاؤ کہ وہ ہمارا سرمایہ ہے۔ چراٹ میں پاکستان کے کمانڈوز کا جو گوریلا مرکز ہے انھوں نے تقریر کے لئے بلایا۔ میں گیا تو چند باتوں سے دل بڑا خوش ہوا۔ ایک اس بات سے کہ انہوں نے وہاں ایک کتبہ لگایا ہوا ہے جس پر لکھا ہے یروشلم (بیت المقدس) اتنے سو کلومیٹر۔ دل بڑا خوش ہوا کہ جس نے بھی لگایا ہے شاید اس کے دل میں ہے کہ اس کو فتح کرنا ہے۔ صرف اس خیال سے ہی قرب کی کتنی منزلیں طے ہو گئیں۔ اور چوتھا عکس دیوبند کا لگاؤ کیونکہ دیوبند ہماری شناخت ہے۔ بیت المقدس ہمارا ہدف ہے جسے آپ لوگ goal کہتے ہیں اور حرمین ہماری بنیاد ہیں۔ تو دیوبند کے نمائندہ عقائد المھند کی شکل میں لکھ کر سب کو دئے ہوئے ہیں، وہ عقائدِ دیوبند ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی چیز عقائدِ دیوبند نہیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی کچھ کر رہا ہے یا کسی کے ساتھ وابستہ ہے تو اپنی ہی ڈفلی بجا رہا ہے۔

خیر حضرت سہانپوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور جوں ہی مجلس میں بیٹھے جوگیوں کی توجہ ٹوٹ گئی اور مناظرین کی زبانیں کھل گئیں اور بولنے لگ گئے۔ پھر اُن کو پتہ چلا کہ صرف فلسفہ، منطق، جار مجرور، توضیح تلویح پر کام نہیں بنا کرتا۔ بلکہ

ے
عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

تو دل میں اللہ تعالیٰ کے تعلق کی قوت پیدا نہ ہوئی ہو تو باقی ساری بحثیں ہی بحثیں ہیں۔ ہماری پشاور یونیورسٹی میں ایک حافظ صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خان سے قرآن سنانے کے لئے آتے تھے۔ یہ حافظ

عبدالحق نابینا تھے۔ اتنا زبردست حافظہ تھا کہ سنانے کے لئے تیاری نہیں کیا کرتے تھے۔ جب سنانے کھڑے ہوتے تو از اول تا آخر کہیں غلطی نہیں ہوتی تھی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اعمال کی آفتیں بیان کی ہیں احیاء العلوم میں۔ حافظوں کی بھی ایک آفت ہوتی ہے کہ ہم کچھ ہیں اور ہمیں ایسا زبردست یاد ہے، ہم سے کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ حافظ عبدالحق صاحب نے ایک دفعہ سارا ختم کر لیا۔ آخری دن سورۂ فاتحہ میں بھول گیا۔ پیچھے کھڑے آدمیوں نے تین بار فتحہ دیا پر نہیں لے سکا۔ لوگوں نے اس پر کہا کہ حافظ صاحب قرآن کا زور دیکھ لیا؟ حافظ عبدالحق صاحب کا مشغلہ ہوتا تھا قادیانیوں کے ساتھ مناظرے کرنا۔ دیہاتوں کے مناظرے تو جیتتا رہتا تھا۔ یونیورسٹی کے پاس قادیانی پروفیسروں کے چند مکان تھے۔ حافظ صاحب نے ان کو کہلوایا کہ میں مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔ مناظرے کرنے کے لئے جو گیا تو دیہاتی مناظرے تو اس نے جیتے ہوئے تھے لیکن پروفیسر صاحبان نے حافظ صاحب کو گھیر لیا۔ کسی نے مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات کہی کہ حافظ عبد الحق صاحب مناظرہ کے لئے گیا تھا اور قادیانی پروفیسروں نے اس کو بند کیا ہوا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حافظ صاحب سے کہو کہ واپس آ جائے اور کل کی تاریخ اُن کے ساتھ مقرر کر لے۔ دوسرے دن مناظرہ مقرر ہوا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے سارا وقت کتابوں کے حوالے جمع کرنے میں گزارا۔ بنوں کا مہربان نامی ایک لڑکا انجینئرنگ کا طالب علم تھا۔ اس کا بھی جذبہ ہوا کہ قادیانیوں کی کتابیں میں بھی پڑھوں جیسے مولانا صاحبؒ پڑھ رہے ہیں، پھر مناظرہ کریں گے اور جیتیں گے۔ رات کو مہربان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور مہربان سے فرمایا کہ تو یہ کتابیں نہ پڑھ ان کے پڑھنے کے لئے اشرف کافی ہے۔ سچ بات ہے کہ حضور ﷺ قبر میں حیات ہیں۔ حضرت حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا ملفوظ ہمارے پاس موجود ہے، ''حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں ظاہری حیات سے زیادہ قوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور یہ جو آیت ہے ولا تقولو لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء و لکن لا تشعرون اور دوسری آیت ہے کہ و لا تحسبن الذین قتلو فی سبیل الاموا تا بل احیاء عند ربھم یرزقون . تو ان آیاتِ مبارکہ میں شہداء جو کہ تعلق مع اللہ میں تیسرے درجے پر ہیں جیسا کہ آیت میں ہے من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین سب سے اوپر انبیاء کا درجہ ہے پھر صدیقین کا درجہ ہے اور پھر شہداء کا درجہ ہے۔ تو جو فضیلت تیسرے درجے کے لئے ثابت ہے تو پہلے اور دوسرے درجے کے لئے تو بطریقِ اولیٰ یعنی زیادہ اچھے طریقے سے ثابت ہو گئی۔

(جاری ہے)

عبرت حاصل کرو اگر کچھ عقل ہے

(ڈاکٹر غلام فرید صاحب، ریٹائرڈ ڈائریکٹر سعودی ریڈ کریسنٹ ٹی بی ہسپتال، پشاور)

آجکل موبائل فون پر پیغامات بھیجنے کا رواج ہے۔ بندہ کو اپنے مہربان دوست شکیل انجینئر کا مندرجہ ذیل پیغام ملا۔

جس شخص آدمی نے ٹائی ٹینک بنایا، جب اس سے پوچھا گیا کہ یہ کتنا محفوظ ہوگا۔ تو اس نے فخریہ لہجے میں کہا، ''اسے تو خدا بھی نہیں ڈبو سکتا۔'' (نعوذ باللہ)۔ آپ کو پتہ ہے کہ پھر ٹائی ٹینک کے ساتھ کیا ہوا؟ ٹانکریڈو ڈیوس برازیل کے صدر نے ایک انتخابی مہم میں پانچ لاکھ ووٹ اپنے پارٹی سے لئے۔ اس نے بیان دیا کہ اللہ بھی اسے صدارت سے نہیں ہٹا سکتا۔ (نعوذ باللہ) اس نے ووٹ تو لے لئے لیکن بیمار ہوا اور صدر بننے سے ایک دن پہلے مر گیا۔

کزوزا (برازیلی شاعر اور گویا) نے ایک شو کے دوران سگریٹ پیتے ہوئے دھواں باہر نکالا اور اور کہا خدا یہ تیرے لئے ہے۔ اس کی موت ۳۲ سال کی عمر میں خوفناک طریقے سے پھیپھڑوں کے کینسر سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے '' ولا تمش فی الارض مرحا '' (زمین پر اکڑ کر نہ چل۔ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتا ہے) دوسرے دو بیان واضح ہیں۔ پہلے بیان میں ٹائی ٹینک کیا چیز ہے؟ اس کا بندہ نے پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ایک بحری جہاز تھا جو اپریل ۱۹۱۲ء میں غرق ہوا تھا۔ اس عبرتناک واقعہ کی روداد ڈاکٹر غلام فرید صاحب نے لکھ کر عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ عمر اور صحت میں برکت کرے۔ (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

بحری تاریخ کا صد سالہ عبرت آموز واقعہ:

اللہ تعالیٰ کو غرور و تکبر کسی طور بھی پسند نہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایسے کئی افراد اور قوموں کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی اور تکبر کیا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو گرفت میں لیا۔ جن میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے آئندہ نسلوں کی عبرت کے لئے بطور نشانی محفوظ رکھا۔

اپنے دور کا سب سے بڑا اولمپک کلاس مسافر بردار دُخانی جہاز RMS-TITANIC برطانوی جہاز ران کمپنی وہائٹ سٹار لائنز کے آرڈر پر بلفاسٹ کی گودی میں ساڑھے تین سال کے عرصے میں ۳۱ مارچ ۱۹۱۲ء

کو مکمل ہوا تھا۔ساؤتھ ایمسٹن کی بندرگاہ سے ۲۴۵۳ مسافروں اور عملے کو لے کر ۱۰ اپریل ۱۹۱۲ء کو اپنی منزل نیویارک کی طرف افتتاحی سفر پر روانہ ہوا اور سفر کے چوتھے دن یعنی ۱۴ اپریل ۱۹۱۲ء کو رات ۱۱ بجکر ۴۰ منٹ پر شمالی اٹلانٹک سمندر میں ایک برفانی تودے سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو کر ۱۵ اپریل کی صبح ۲ بجکر ۲۰ منٹ پر ڈوب گیا۔مسافروں اور عملے کے سواروں کی اکثریت ہلاک ہوئی اور محدود لوگ اس واقعہ کی قصہ خوانی کے لئے باقی بچے۔ایک مسافر بردار بحری سفینے کے افتتاحی سفر پر حادثاتی طور پر غرق ہوجانا، مسافروں کی اکثریت کا ہلاک ہوجانا، بچے ہوئے لوگوں سے منقول داستانیں، حادثے کے بعد بحری قوانین اور ضوابط پر نظر ثانی، تقریباً ۷۰ سال بعد غرق شدہ لاشے اور اجزاء کی دریافت اور دوسری وجوہات کی بناء پر ہر دور میں اس واقعے نے میڈیا اور عوام کو جذباتی ہیجان میں مبتلا رکھا ہے۔یہاں تک کہ ۱۵ اپریل ۲۰۱۲ء کو رسمی طور پر اس جہاز کے غرق ہونے کی صدی منائی جائے گی۔

بحیثیت مسلمان ہمارے لئے اس میں عبرت کا جو پہلو ہے اس کے مدنظر اس کی تفصیل پیش ہے۔نسبتاً جدید ٹیکنالوجی اور ہر قسم کی دلکش سہولیات کا مرقع ۴۶۳۲۸ گراس ٹن وزنی جہاز جس کی لمبائی ۸۸۳ فٹ، چوڑائی ۹۲ فٹ اور تہہ سے بالائی چمنی تک اٹھان ۱۷۵ فٹ، ۴۶ ہزار ہارس پاور مجموعی قوت والے انجنوں کی بدولت ۲۱ سے ۲۳ ناٹ (تقریباً ۳۹ سے ۴۳ کلومیٹر) فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے کی صلاحیت رکھنے والے یکتائے زمانہ جہاز کو ڈیزائنر لارڈ پیری، بحری آرکیٹیکٹ تھامس اینڈ ریو اور الیگزنڈر لسلے جیسے مشہور زمانہ ماہرین نے ممکنہ بحری حوادث سے بچاؤ کے تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر بنایا تھا۔اس کی پبلسٹی اس کے ناقابلِ غرق (UNSINKABLE SHIP) ہونے کی وجہ سے ہوئی، یہاں تک کہ ڈیزائنرز نے دعویٰ کیا کہ (نعوذ وباللہ) خدا بھی اس جہاز کو نہیں ڈبو سکتا۔اس بات نے متمول (مالدار) طبقے کو زیادہ متوجہ کیا کیونکہ براعظمی سفر کے لئے سمندر کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا اور وہ محفوظ بحری سفر کی امید میں بھاری قیمت ادا کرنے پر تیار ہوگئے۔جس کا اندازہ اس کے یکطرفہ TRANS ATLANTIC فی کس فرسٹ کلاس کرایہ ۸۷۰ سٹرلنگ پاؤنڈ (۱۳۶۳ ڈالر جو ۲۰۱۲ کے ۳۰۹۱۷ ڈالر بنتے ہیں) سے ہوسکتا ہے۔فوراً ہی فرسٹ کلاس کی ۸۳۳ نشستیں بک ہوگئیں۔اس طرح ۶۱۴ سیکنڈ کلاس اور ۱۰۰۶ تھرڈ کلاس کی۔کمپنی کو اپنی ٹیکنالوجی پر اتنا زعم تھا کہ جہاز صرف چھ گھنٹوں کی سمندری آزمائش کے

بعد فِٹ قرار دے کر دس دن کے اندر یعنی ۱۰ اپریل ۱۹۱۲ء کو نیویارک کے لئے افتتاحی سفر پر روانہ کر دیا۔ اپریل کے آغاز سے ہی بڑے بڑے برفانی تودے پگھل پگھل کر سمندر میں پھسل رہے تھے۔ شمالی اٹلانٹک کا سمندر برفانی تودوں سے اٹا ہوا تھا۔ ماہرین جہاز راں بھی احتیاط کے پیشِ نظر سست رفتاری سے سفر کر رہے تھے اور بعض تو رات کو سفر کرنے کی بجائے سطح سمندر پر صبح تک توقف کرنے کو ترجیح دیتے۔ ۱۴ اپریل ۱۹۱۲ء کا سورج غروب ہو چکا تھا، نیا چاند نکلنے میں دو راتیں باقی تھیں۔ شام کا ملگجا تیزی سے سمندری گھپ اندھیرے میں بدل رہا تھا۔ فضا حد درجہ یخ بستہ تھی، سمندر کے پانی میں سنسنی خیز ہیبت تھی۔ لیکن TITANIC پر زندگی اپنے عروج پر تھی اور نئے قمقموں کی بھرپور روشنیوں میں بقعۂ نور نظر آ رہا تھا۔ عملے سمیت ۲۲۵۳ مرد و زن میں سے ہر ایک اپنی اپنی دھن میں مگن تھا۔ چنے ہوئے ماہر طرب نواز نئے بینڈ پر نغمے بکھیر رہے تھے، رقص و سرور کا عالم گرم تھا، کوئی رقص کے لئے جوڑا تلاش کر رہا تھا اور کوئی کسی کا شراب کا جام صحت تجویز کر رہا تھا، بعض محو رومان تھے اور سفر کے بعد ساری زندگی ساتھ گزارنے کے عہد و پیمان باندھ رہے تھے۔ خادمائیں متمول خاندانوں کے شیر خوار بچوں کے لئے خوراک تیار کر رہی تھی۔ کچھ لوگ سوئمنگ پول اور جمنیزیم سے واپس کیبنوں کو لوٹ رہے تھے، پر تکلف کھانوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے ریسٹورنٹ کے علاوہ شاید ہی کوئی جگہ ہو سکتی تھی، ہزاروں کا یہ مجموعہ عالم سے بے نیاز اپنی ہی دنیا میں مست تھا، کسی فرد کے گوشۂ تخیل میں کدورت کا شائبہ تک نہ تھا۔ جہاز کے نطق میں ۱۵۹ بھٹیاں روشن تھیں جن میں سٹوکر (کوئلہ ڈالنے والے) بڑی مستعدی سے کوئلہ ڈال کر بھڑکا رہے تھے۔ انجن روم کا عملہ ٹیلیفون کے ذریعے سے اوپر کنٹرول ڈیک سے افسران کے احکامات کی روشنی میں انجنوں کی رفتار اور کارکردگی کی نگرانی کر رہا تھا۔ طے شدہ وقت سے پہلے منزل پر پہنچنے کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے جہاز کی رفتار انتہائی حد کو چھو رہی تھی۔ جہاز کے اوپر کے حصے میں کنٹرول کرنے کے لئے ڈیک (DECK) پر تعینات عملہ موجود لیکن نسبتاً ریلیکس (بے فکر) تھا۔ کپتان سمتھ کو ریڈیائی پیغامات کے ذریعے ایک دن پہلے برفانی تودوں کی اطلاع مل چکی تھی، لیکن وہ مطمئن تھا کیونکہ اس نے جہاز کے رخ کو احتیاطاً جنوبی زاویے کا جھکاؤ دے دیا تھا اور بظاہر کسی تشویش کی علامت نظر نہیں آ رہی تھی۔ پونے دو بجے دوپہر کو ایک قریبی امریکی سٹیمر نے TITANIC کے ریڈیو پر آپریٹر کو اس کے راستے میں برفانی تودوں کی موجودگی کی اطلاع دی۔ لیکن چونکہ

آپریٹر جہاز میں سوار اہم شخصیات کے پیغامات کے ریڈیائی ترسیل کے لئے ملازم رکھے گئے تھے اور اسی کو اپنی ترجیح سمجھتے تھے، اس لئے برفانی پیغامات جیسے نسبتاً غیر ضروری پیغام کو کنٹرول (DECK) تک پہنچانے کی پروانہ کی۔ پھر شام کے قریب ایک دوسرے جہاز کی TITANIC کے راستے میں موجود برفانی تودے (ICEBERG) کی اطلاع بھی عملے تک نہ پہنچ سکی۔ جہاز کی اونچی مچان پر تعینات نگران عملے والے سمندری اندھیرے میں بڑی دقت محسوس کر رہے تھے کہ اچانک ۱۱ بجکر ۴۰ منٹ پر نگران فریڈرک کو بالکل سامنے ایک دیوھیکل سایہ نظر آیا۔ جہاز کے خطرے کی گھنٹی تین بار بجا کر اس نے ہیجان کی کیفیت سے چھٹے افسر کو فون پر ناک کی سیدھ میں عظیم الجثہ فرفانی تودے کی اطلاع دی۔ جس نے ڈیک پر فوراً پیغام کو چیخ کر سنایا۔ فرسٹ آفیسر مردوخ نے بیساختہ جہاز ران کو حکم دیا کہ جہاز کو بالکل بائیں جانب گھما دیا جائے۔ جس نے فوراً تعمیل کی اور پہیے کو بائیں جانب گھمایا۔ اس ساری کاروائی میں ۳۷ سیکنڈ لگے کہ جہاز اپنی پوری رفتار سے ایک انتہائی شدید مہلک جھٹکے کے ساتھ تودے سے جا ٹکرایا۔ برفانی تودہ اپنا کام کر چکا تھا۔ کھانے والوں کے حلق میں نوالے اٹک گئے، رقص والے نیچے گر گئے، رومانس والوں کے اوسان خطا ہو گئے، شراب کے پیانوں کے چُور ہونے سے فرش بھر گیا، کچھ لحظوں کے لئے سب مبہوت ہو گئے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہوا۔ لیکن ایک انجانے خوف کی لہر سب کی ریڑھ کی ہڈیوں میں دوڑ گئی، پر عروج زندگی کا ماحول ایک جھٹکے سے خطرناک خوف و اضطراب میں تبدیل ہو گیا۔ تمام دھچکے میں ۱۰ سیکنڈ صرف ہوئے۔ کپتان سمتھ اپنے کیبن سے دوڑتا ہوا ڈیک پر آیا اور فل سٹاپ کا حکم دیا۔ آفیسر مردوخ نے جہاز کے سیل بند دروازوں کو فوراً بند کرنے کا حکم دیا۔ جہاز کے بنانے والے تھامس اینڈریو اور سینئر عملہ جے ایچ سن وغیرہ اس سفر میں جہاز پر موجود تھے۔ فوراً ٹیم صورت حال کے تجزیہ کے لئے موقع پر آئی (ICEBERG) نے مایہ ناز جہاز کے ڈیڑھ انچ موٹی آہنی چادر کو کاغذ کی طرح مروڑ کر جگہ جگہ سے اکھیڑ دیا تھا اور نچلے حصے کے ۹۰ میٹر شگاف نے جہاز کے چھ کمپارٹمنٹ کو پانی کے لئے کھول دیا۔ تقریباً ۱۰ منٹ میں جہاز کے نچلے کمپارٹمنٹ میں چودہ فٹ پانی بھر گیا۔ جس نے جہاز کے اگلے حصے تاج (BOW) کو پانی میں جھکا دیا جس سے مزید پانی جہاز کے اپنے سوراخوں سے اندر آنے لگا۔ ماہرین جائزہ لے رہے تھے۔ جہاز کے ڈیزائین میں صرف چار کمپارٹمنٹ کے زیر آب آجانے تک تیرتے رہنے کی صلاحیت تھی۔ جہاز کے پمپ

۱۷ ہزار ٹن پانی فی گھنٹہ اخراج کر سکتے تھے۔ لیکن یہ پانی ان کے بس سے باہر تھا۔ تھامس اینڈریو کے گلے میں گرہ پھنس چکی تھی، اس کو اندازہ ہو گیا کہ TITANIC کو ڈبنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اس کے اندازے کے مطابق اگلے ایک سے ڈیڑھ گھنٹے تک جہاز مکمل ڈوب جائیگا۔ حادثے کے ۲۰ منٹ بعد تیسرے درجے کا اگلا حصہ زیر آب آ گیا۔ ۱۲ بجکر ۵ منٹ پر کپتان سمتھ نے تمام مسافر بردار کشتیوں کو لوگوں سے بھرنے اور پانی میں اتارنے کا حکم دیا۔ چھارم آفیسر نے ڈوبتے ہوئے جہاز کی مدد کے لئے متوجہ کرنے کے لئے روشنائی کا پہلا راکٹ داغا۔ فوراً یہ محسوس کر لیا گیا کہ جہاز میں تمام مسافروں کو بچانے کے لئے لائف بوٹ کافی تعداد میں نہیں ہیں۔ جہاز پر ۲۰ کشتیاں کرینوں کے ذریعے نسب کی گئی تھیں۔ جن میں ۱۱۷۸ سے زائد افراد کے لئے گنجائش نہ تھی۔ واضح نظر آ رہا تھا کہ پوری کشتیوں سے استفادہ ممکن نہیں اور آدھے سے زائد لوگ یقینی موت کی بھینٹ چڑھیں گے۔ بہت جلد ہر درجے کے لوگوں پر یہ صورتِ حال واضح ہو گئی۔ یقینی موت نوشتۂ دیوار کی طرح سامنے نظر آنے لگی۔ خوف، اضطراب، بدحواسی اور مایوسی کا عالم سارے مجموعے پر چھا گیا۔ کسی کے ذہن کے کسی گوشے میں لذت شناسی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ۱۲ بجکر ۵۰ منٹ پر آفیسر چہارم نے ہنگامی حالت میں مدد کے لئے متوجہ کرنے والے روشنائی کے کئی راکٹ داغے۔ وائرلس آپریٹر، جیک فلپس اور ہیرولڈ برائڈ نے بین الاقوامی ہنگامی مدد حاصل کرنے والے مسلسل ریڈیائی پیغامات کا سلسلہ شروع کیا۔ مختلف سمندری جہازوں کے پیغامات وصول ہوئے لیکن کوئی بھی غرق ہونے سے پہلے مدد کو نہ آ سکتا تھا۔ سب سے قریبی جہاز ۹۳ کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا جو کسی صورت بھی ۴ گھنٹے سے پہلے نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اگلہ المیہ یہ تھا کہ تیسرے درجے کے لوگوں کو اوپر کشتیوں والے عرشے پر آنے کے لئے واضح راستے نہیں مل رہے تھے۔ اسی معاشرے کی طبقاتی تفریق کی بناء پر پہلے اور دوسرے درجے والوں کو ہر حال میں تیسرے درجے کے لوگوں سے ممتاز رکھا گیا۔ تیسرے درجے والے بدحواسی میں بھول بھلیوں میں ٹکریں مار رہے تھے اور پانی کی سطح مسلسل اونچی ہوتی جا رہی تھی۔ اوپر فرسٹ کلاس کے لوگوں کو موجود کشتیوں میں پہلے سوار کرانے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ طبقاتی تعصب کی بناء پر تھرڈ کلاس کے لوگوں کو آخری ترجیح پر رکھا گیا۔ سب پہلے لائف بوٹ نمبر سات اتاری گئی، جہاز کا عملہ لیڈیز فرسٹ کی بنیاد پر مردوں کو سوار ہونے سے روک رہا تھا لیکن موت کے خوف سے گھبرائے ہوئے لوگ کود کود

کر کشتی میں اپنے آپ کو گرا رہے تھے۔ کشتی میں ۶۵ لوگوں کی گنجائش تھی لیکن گھبراہٹ اور نفسانفسی میں صرف ۲۸ لوگ ہی کشتی کو بھگا کر لے گئے۔ ۱۰ منٹ بعد کشتی نمبر چھ اور کشتی نمبر پانچ اتاری گئیں۔ کشتی نمبر ایک پانچویں کشتی تھی جس میں صرف ۱۲ لوگ سوار تھے۔ بوٹ نمبر گیارہ سب سے زیادہ بوجھ والی تھی۔ اس میں ۷۰ لوگ سوار تھے۔ چار ہوا سے بھری جانے والی کشتیاں (A.B.C.D) جو افسران کے کیبنوں کے اوپر بذریعہ کرین رکھوائی گئی تھیں۔ ان کو اتارنے کا انتظام نہ تھا۔ بڑے شہتیروں اور چپوؤں کے ذریعے ان کو اوپر سے پھسلایا گیا۔ کشتی نمبر B اوندھی پانی میں گر گئی۔ کشتی نمبر A کے کینوس کے فریم گرنے کی وجہ سے ٹوٹ گئے۔ کشتی نمبر C کو اتارنا ممکن نہ ہو سکا اور وہ ویسے ہی جہاز کے ساتھ ڈوب گئی۔ سب سے آخر میں کشتی نمبر D اتاری گئی۔ ۲ بجکر ۵ منٹ پر BOW (اگلا حصہ) مکمل زیر آب جا چکا تھا۔ پچھلا حصہ پانی سے اوپر اٹھ گیا تھا۔ جہاز کے انجنوں کے پروپلر صاف نظر آرہے تھے۔ جہاز کے زخم خوردہ پھٹے ہوئے درمیانی حصے کا فریم پچھلے اوپر کو اٹھے ہوئے حصے کے وزن کے شدید دباؤ میں تھا۔ پانی اوپر عرشوں تک پہنچ چکا تھا۔ اچانک ۶۲ فٹ اونچی اگلی چمنی خوفناک کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ ٹوٹ گئی اور سامنے کے لوگوں کو کچلتی ہوئی جہاز کے زیر آب حصے کے وسط میں گر گئی۔ کئی افراد لقمہ اجل بن گئے۔ لوگ پچھلے اٹھے ہوئے حصے کی طرف بھاگنے لگے اور کچھ تو ہیجانی کیفیت میں جان بچانے کی امید میں برفیلے پانی میں کودنے لگے تاکہ کسی کشتی میں پہنچ سکیں۔ پانی کا درجہ حرارت منفی ۲ ڈگری سنٹی گریڈ تھا جو ۱۵ منٹ کے اندر خون کو منجمد کر کے بدن کی گرمی کو موت کی ٹھنڈک میں بدل رہا تھا۔ جہاز کے متاثرہ حصے کا فریم شدید دباؤ کو مزید برداشت نہ کر سکا اور دو چمنیوں کے درمیان میں سے ایک آواز کے ساتھ دو ٹکڑے ہو گیا۔ جہاز کو تیرائے رکھنے کے لئے بنائے گئے ویکیوم کمپارٹمنٹ مہیب دھماکے کے ساتھ پچکے اور جہاز کی تقسیم کا کام تمام کیا۔ واضح رہے کہ یہ ویکیوم کمپارٹمنٹ جہاز کو اتنا ہلکا کئے ہوئے تھے کہ اُس کے ڈوبنے کا امکان نہیں تھا جبکہ پھٹنے کے بعد اُن کا پانی بھر جانے سے اتھا وزن زیادہ ہوا کہ وہ ڈبونے میں مدد کرنے لگ گئے۔ جہاز کا تاج (اگلا حصہ) آزاد ہو کر خالق کائنات کے حضور سرنگوں ہو کر پانی کی اتھاہ گہرائیوں میں سجدہ ریز ہو گیا۔ جہاز کا پچھلا آدھا حصہ جدا ہو کر اپنے وزن کے باعث خالقِ کائنات کے حضور رکوع سے عمودی زاویے سے اٹھا اور ۲ بجکر ۲۰ منٹ پر سیدھے نیچے سمندر کے تہہ کی طرف ڈوب گیا۔ برفیلے پانی نے جسموں کو اکڑا دیا، سانس لینے کی صلاحیت ختم

ہوئی اور ہر ذی روح نے موت کا حقیقی پیالہ پی لیا۔اٹھارہ کشتیوں میں جان بچانے والے دور سے جہاز کے ڈوبنے کا نظارہ کر رہے تھے۔ اکڑی ہوئی انسانی لاشیں ادھر ادھر تیر رہی تھیں۔ گنتی کے کچھ لوگ منجمد کرنے والے پانی میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔صرف دو کشتیاں ڈوبنے والوں کے قریب آئیں۔ کشتی نمبر چار نے ۴ لوگوں کو نکالا جن میں سے ۲ مر گئے۔ کشتی نمبر چودہ نے بھی ۴ لوگوں کو بچایا جن میں سے ایک مر گیا۔ باقی کشتیوں میں سے کسی نے بھی اخلاقی جرأت نہ دکھائی اور کوئی بھی مدد کے لئے واپس آنے کے لئے تیار نہ ہوا۔صبح ۴ بجکر ۱۰ منٹ پر بحری جہاز کارپیتھیا پہنچا اور کاروائی شروع کی۔ ۸ بجکر ۱۰ منٹ پر آخری کشتی کو بھی اٹھا یا اور ۸ بجکر ۵۰ منٹ پر نیویارک کے لئے روانہ ہوا۔اسی حادثے میں امریکیوں اور دوسرے یورپی خاندانوں کے علاوہ برطانیہ کے ایک ہزار خاندان متاثر ہوئے۔عورتوں سے زیادہ مردوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ تیسرے درجے کے مسافر سب سے زیادہ تعداد میں مرے اور ان کا سب کچھ تباہ ہوا۔ایک اندازے کے مطابق امریکی نژاد مسافروں کی نسبت برطانوی نژاد مسافر زیادہ ہلاک ہوئے۔ برطانیہ کا تبصرہ ہے کہ اس کی وجہ برطانوی لوگوں کی طبعی نرمی اور عملے کے احکام کی پابندی تھی بہ نسبت امریکیوں کے جو جارحانہ انداز میں لوگوں کی پروا کئے بغیر اپنی جانیں بچانے کو ترجیح دیتے تھے۔عرصہ دراز تک نجات یافتہ لوگوں کی زبانی اور میڈیا کے جنونی ہیجان سے بھرپور کہانیوں اور داستانوں نے عوام کے ذہنوں کو مبتلائے آشوب رکھا۔ فلم انڈسٹری نے اپنی دکان چمکائی۔ بالآخر یکم ستمبر ۱۹۸۵ میں تحقیقاتی ٹیموں نے ۷۳ سال قبل غرق شدہ TITANIC کے لاشے کو ۴ کلومیٹر گہرے سمندر کی تہہ میں دو ٹکڑے شدہ حالت میں دریافت کیا۔حقائق کے مطابق پچھلا اور اگلا حصے ۱۹۷۰ فٹ (۶۰۰ میٹر) کے فاصلے پر ایک دوسرے سے مخالف سمت میں پڑے ہیں۔ 5.2 سکوئیر کلومیٹر کے ایریا میں سارہ ملبہ بکھرا ہوا ہے۔اب تک تقریباً ۵۵۰۰ اشیاء جن میں جہاز کے ٹکڑے، فرنیچر ڈنر سیٹ کے حصے، مسافروں کے ذاتی سامان وغیرہ شامل ہیں، برآمد کر کے گرینوچ (انگلینڈ) کے میوزیم میں (بصورت نشانِ عبرت) موجود ہیں۔ عجیب عبرت انگیز بات ہے کہ باقی بچنے والوں میں سب سے کم عمر (۹ ہفتے کی عمر کی) برطانوی نژاد میلونیا ڈین تھی جو اس حادثے کے بعد ۹۸ سال زندہ رہی اور ۳۱ مارچ ۲۰۰۹ کو جو TITANIC کو پانی میں اتارنے کی افتتاحی تقریب کے دن کے مطابق ہے) حادثاتی طور پر باتھ روم میں پانی کے ٹب میں ڈوب کر مر گئی۔ یہ اُس جہاز کی آخری باقیات میں سے تھی۔

ملفوظاتِ شیخ ﴿ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہ﴾ (قسط۔۴۰)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب)

جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے:

فرمایا بندہ ۱۹۸۷ء سے ۱۹۸۸ء دو سال لاہور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں ایم فل کرنے کے لئے مقیم رہا۔ کالج کے ہاسٹل میں جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد کا ایک طالب علم بطور مؤذن کام کر رہا تھا۔ رب نواز نام، جھنگ کا رہنے والا۔ بندہ سے باقاعدہ بیعت تو نہیں تھا لیکن اسے بندہ سے بہت مناسبت اور تعلق تھا۔ ذہنی استعداد زیادہ نہیں تھی اس لئے دو درجے پڑھ کر اپنے گاؤں واپس چلا گیا۔ مدارس کی برکات کی برکت سے گاؤں جاتے ہی اپنی ویران مسجد کو آباد کیا۔ اذان، جماعت شروع کرائی۔ مقامی جاٹ قوم کا زمیندار تھا، کچھ نہ کچھ اپنی زمینداری شروع کر دی۔ خود زیادہ دینی کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے تبلیغی مرکز جا کر درخواست کر کے جماعت منگوائی اور ان کے ذریعے سے دینی فضا بنانا شروع کر دی۔ گردو پیش میں اہلِ تشیع آباد تھے۔ ان کو یہ ساری باتیں بہت بُری لگیں۔ اس لئے انہوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور تنگ کرنے کا آغاز کر لیا۔ یہ برداشت کرتا رہا۔ ایک دن ان سب نے مل کر اس کے گھر پر مسلح حملہ کر دیا اور آ کر فائرنگ کی۔ اپنے بچاؤ کے لئے اور انہیں بھگانے کے لئے رب نواز کو بھی فائرنگ کرنا پڑی۔ اپنی حفاظت کے لئے حکومت کا منظور شدہ اسلحہ (Non-Prohibited Bore) رکھنا ہر شہری کا حق ہے۔ اس فائرنگ سے ایک آدمی مر گیا۔ حالات یہی بتا رہے تھے کہ ایک طرف اتنی تعداد کے صاحبِ حیثیت لوگ اور دوسری طرف ایک عام غریب آدمی۔ تو ظاہر ہے گرفتار اسے ہی کرنا تھا۔ رب نواز جان بچانے کے لئے بھاگ گیا۔ کچھ دن بعد اسے احساس ہوا کہ اس کی وجہ سے بوڑھے والدین اور بہن بھائی پولیس کی اذیت میں آ رہے ہیں۔ اس لئے اللہ کا نام لے کر خود جا کر گرفتاری پیش کر دی اور صحیح صحیح بیان دے کر اپنے فائر کرنے کا اقرار کر لیا۔

تھانے دار نے شکل وصورت دیکھی ایک معصوم نوجوان اور اتنی سادگی سے گرفتاری اور اقبالِ جرم کر رہا ہے۔ اس نے پوچھا مولوی صاحب کچھ گاڑی وغیرہ چلا سکتے ہوں؟ رب نواز نے روس کے خلاف جہاد میں حصہ لیا ہوا تھا۔ اس لئے جیپیں چلانا سیکھا ہوا تھا۔ اس نے کہا ''جی چلا سکتا ہوں۔'' تھانیدار نے کہا ہماری گاڑی چلاؤ اور بچوں کو سکول لایا لے جایا کرو۔ کچھ دن یہ کام کرتا رہا۔ ایک دن تھانیدار نے کہا کہ آپ

کے کیس کی تفصیلات مکمل ہوگئی ہیں لہٰذا آپ کو بطورِ ملزم حوالات میں ڈالنا ہوگا۔

حوالات میں اندر کرلیا اور مقدمہ چلنا شروع ہوگیا۔ اہلِ تشیع کا دعویٰ تھا کہ آدمی....ربّ نواز نے آگے سے فائر کرکے قتل کیا ہے۔ اور ربّ نواز نے بھی فائر کا اقرار کیا ہوا تھا۔ مقدمہ چلتا رہا۔ ڈاکٹر کی پوسٹ مارٹم رپورٹ پہنچی۔ بقول ربّ نواز: عدالت میں پیشی ہوئی۔ کیس پر بحث ہوئی اور عدالت نے مجھے مکمل بری کردیا۔ سب لوگوں کو حیرت....علاقے میں دبدبہ قائم ہوگیا کہ ربّ نواز کے صدرِ پاکستان کے ساتھ براہ راست تعلقات ہیں، اسی لیے چھوٹ گیا۔ جبکہ حقیقت کیس کی یہ ہے کہ جب ڈاکٹر کی پوسٹ مارٹم رپورٹ آئی تو اس میں لکھا تھا کہ مقتول کی کھوپڑی میں گولی پیچھے سے داخل ہوئی ہے اور آگے سے نکلی ہے۔ جبکہ رپورٹ میں ربّ نواز کا آگے سے فائر کرنا لکھا ہوا تھا۔ تو گویا پیچھے سے جو اہل تشیع فائر کررہے تھے، یہ قتل اس فائر سے ہوا۔ ربّ نواز نے بتایا کہ ہم غریب لوگ....ہمیں پتہ بھی نہیں تھا کہ ڈاکٹر کی رپورٹ بھی ہوتی ہے اور ان کے ساتھ رابطہ بھی کرنا ہوتا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کا آسرا تھا کہ وہی مسبب الاسباب ہے۔ واقعی جسے اللہ لکھے اسے کون چکھے۔

دُنیا کے بارے میں اگر غلطی ہو گئی تو دُنیا کا نقصان ہے لیکن اگر دِین کے بارے میں غلطی ہو گئی تو یہ دُنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہے:

فرمایا کہ جس طرح ہم دُنیا کے سارے شعبوں میں اس کے ماہرین سے پوچھ کر چلتے ہیں تو اسی طرح دین کے بارے میں بھی جس بات کا پتا نہ ہو اس کو اہلِ حق علماء سے پوچھیں۔ ہر اَیرے غیرے نتھو خیرے کی بات پر آنکھیں بند کرکے یقین نہ کریں۔ یہ جو قرآن میں فرمایا گیا ہے **فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون.** (النحل۔۴۳) کہ تم جس بات کو نہیں جانتے...اُس کو جاننے والوں سے پوچھو تو یہ اس بارے میں فرمایا گیا ہے کہ دین کے بارے میں پوچھ پوچھ کر چلو۔ دنیا کے بارے میں اگر غلطی ہوگئی تو دنیا کا نقصان ہے لیکن اگر دین کے بارے میں غلطی ہوگئی تو یہ دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہے۔

ہمیں گزشتہ کا غم اور آئندہ کا خوف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ ہماری بھتری کے لئے ہے بلکہ ہمیں قرآن کی آیتوں میں غور کر کے

اُن سے فائدہ اُٹھانا چاہیے:

فرمایا کہ ہم نے اپنے اکابر سے کچھ دلچسپ کہانیاں سنی ہوئی ہیں۔ایک دفعہ ایک بادشاہ تھا جس کے کئی وزیر تھے اور اُن میں سے ایک بہت پرہیزگار آدمی تھا۔جب کوئی واقعہ پیش آتا تو وہ بادشاہ سے کہتا کہ اسی میں خیر تھی کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے تھا۔اُس کی پرہیزگاری کی وجہ سے بادشاہ اُسے پسند کرتا تھا مگر دوسرے وزیر حسد کی وجہ سے اُس سے بہت بغض رکھتے تھے۔ایک دفعہ بادشاہ کو بخار ہوگیا، متقی وزیر نے کہا کہ بادشاہ سلامت اسی میں خیر ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔دوسرے وزیروں نے بادشاہ سے کہا کہ اس کو دیکھو...آپ کو تکلیف ہے اور اس کو اس میں بھی اچھائی نظر آرہی ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ آپ کے لئے اچھا ہے، یہ آپ کا خیر خواہ نہیں ہے۔یہ خیال بادشاہ کے دماغ میں جڑ پکڑ گیا۔پھر کیا ہوا کہ ایک دن بادشاہ زخمی ہوگیا اور کسی حادثہ میں اُس کی اُنگلی کٹ گئی۔اُس نے جب وزیروں کو بتایا کہ ایسا واقعہ پیش آیا ہے تو پرہیزگار وزیر نے حسبِ معمول کہا کہ بادشاہ سلامت اسی میں آپ کی بہتری ہے۔دوسروں نے کہا کہ دیکھیں بادشاہ سلامت! اس کو آپ کے ساتھ پیش آنے والی تکلیف پر خوشی ہورہی ہے۔اس دفعہ بادشاہ نے اس کو حقیقتاً سنجیدگی سے لیا اور اس نیک وزیر کا مخالف ہوگیا۔

کچھ دن گزرنے کے بعد بادشاہ شکار کے لئے جنگل گیا اور اُس نے اپنے کچھ کارندوں کو بتایا کہ جب ہم فلاں کنویں کے پاس سے گزریں تو اس وزیر کو دَھکا دے کر اُس میں گرادیں۔پس جب وہ کنواں آیا تو وزیر کو اس میں گرادیا گیا۔شکار کھیلتے جب کافی دیر ہوچکی تو بادشاہ کو احساس ہوا کہ وہ بالکل اکیلا ہے اور راستہ کھو چکا ہے اور شکاری لباس میں کسی دوسری سلطنت میں گھس گیا ہے۔یہ گرفتار ہوا اور وہاں کے بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔وزیروں نے بادشاہ سے کہا کہ آپ دیوتاؤں کے لئے کسی انسان کی قربانی دینا چاہتے تھے اور آپ نے کہا تھا کہ اپنے عوام میں سے کسی کو قربان کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ہم ایک غیر قانونی طور پر داخل ہونے والے شخص کو لائے ہیں ہمیں اس کی قربانی کرنی چاہئیے۔بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو پادریوں کے پاس لے جایا جائے۔پادریوں نے اس کا معائنہ کیا اور ایک دوسرے کی طرف مایوسی سے دیکھا اور کہا کہ اس کی انگلی کٹی ہوئی ہے لہٰذا اس کی قربانی نہیں ہوسکتی۔قربانی صحیح سالم جسم کی ہوسکتی ہے جس کے اعضاء میں کوئی نقص نہ ہو۔

بادشاہ کو اس وقت اپنا وزیر بہت یاد آیا اور سوچا کہ میرا دیندار وزیر کتنا صحیح کہتا تھا۔ اگر میری انگلی نہ کٹی ہوتی تو آج میری قربانی ہو چکی ہوتی۔ اُس کو افسوس ہوا کہ میں نے اتنے دانا اور پرہیزگار وزیر کو کنویں میں گرا دیا۔ بعد میں بادشاہ کو چھوڑ دیا گیا۔ جب وہ اپنی سلطنت واپس پہنچا تو اُس نے وزیر کی تلاش کا حکم دیا۔ وہ ایک پرہیزگار آدمی تھا، اللہ تعالیٰ نے اُسے نیک نیتی اور عبادات کی برکت سے زندہ بچایا ہوا تھا۔ جب اُسے بادشاہ کے سامنے لایا گیا تو بادشاہ نے اُس سے معذرت کی۔ وزیر نے کہا کہ کنویں میں گرنے میں ہی میری بہتری تھی۔ بادشاہ نے اپنی روداد وزیر کو سنائی اور کہا کہ میری انگلی کٹ جانے میں بہتری تھی یہ تو میں دیکھ کر آیا ہوں۔ پھر اُس نے وزیر سے پوچھا کہ تمہارے کنویں میں پھینکے جانے میں کیا بہتری تھی؟ وزیر نے جواب دیا کہ اگر مجھے کنویں میں نہ پھینکا گیا ہوتا تو پھر میں یقیناً آپ کے ساتھ ہوتا چونکہ میں ہر وقت آپ کے ساتھ ساتھ رہتا ہوں اور میرا جسم مکمل ہے تو ضرور مجھے قربان کر دیا جاتا۔

قرآن میں ارشادِ باری ہے **ما اصاب من مصیبۃٍ فی الارض و لا فی انفسکم الا فی کتٰبٍ من قبل ان نبرأھا ط ان ذٰلک علی اللہ یسیر O لِکیلا تأسو ما فاتکم و لا تفرحو بما اٰتکم و اللہ لا یُحب کل مختالٍ فخور O** (الحدید:۲۲ تا ۲۳)

ترجمہ: کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ (سب) ایک کتاب میں (یعنی لوحِ محفوظ میں) لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں، یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے (کہ واقع ہونے سے پہلے لکھ دیا کیونکہ اُس کو علم الغیب حاصل ہے اور ہم نے یہ بات اس واسطے بتلادی ہے) تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر (اتنا) رنج نہ کرو (جو کہ حق تعالیٰ کی مرضی کے طلب کرنے اور آخرت کے امور میں مشغول ہونے میں رکاوٹ ہو جاوے اور طبعی تکلیف کا مضائقہ نہیں) اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے (اس کی نسبت بھی یہی سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و فضل سے عطا فرمانا تجویز کر دیا تھا اور اسی نے ہم کو دی ہے) اس پر اتراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ کسی اِترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ (معارف القرآن)

سو ہمیں گزشتہ کا غم اور آئندہ کا خوف نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ ہماری بہتری کے لئے ہے۔ یہ ایک حقیقت اور نارمل نفسیات ہے کہ یہ خیالات ہمیں تکلیف دیتے ہیں مگر ہمیں ان کو دباؤ

(Stress)،اضمحلال (Depression) اور اضطراب (Anxiety) کی طرف نہیں لے جانا چاہیے۔ہمیں قرآن کی آیتوں میں غور کر کے اُن سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

تصوف ایک فن ہے جس کو صوفیائے کاملین و محققین نے خود حاصل کیا، برتا اور اُس کے لئے اپنی زندگی وقف کی:

فرمایا کہ سیکھنے کے مختلف مدارج ماہرینِ نفسیات بیان کرتے ہیں کہ ایک Cognitive Domain ہے جو صرف کسی چیز کو یاد کرنا ہے جس سے کسی مسئلے کا حل نکالا جا سکتا ہے۔اس کا دارومدار صرف یادداشت پر ہوتا ہے۔ Psychomotor Domain میں تمام ہنر (Skills) آجاتے ہیں جو انسان اپنے اعضاء سے کرتا ہے۔اس میں مہارت کا دارومدار اُس چیز کو بار بار کرنے سے ہوتا ہے۔اور ایک ہوتا ہے Effective Domain یا Attitude یا رویہ۔یعنی اس کی آخری حد یہ ہے کہ جو معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ انسان کے اندر آ کر اس کے اعضاء وجوارح سے بار بار صادر ہو کر اب اُس کے اندر رَچ بس گئی ہیں اور اُس کی شخصیت کا حصہ بن گئی ہیں۔چنانچہ انسان کی شخصیت کا کبر، لالچ، کینہ، حسد، بغض ریاء وغیرہ قسم کے اخلاقِ رذیلہ یا تواضع، قناعت، صبر، شکر، خیرخواہی وغیرہ قسم کے اخلاقِ فاضلہ نفسیات والوں کا Attitude یا رویہ ہیں۔یہ باتیں صرف دینی معلومات رکھنے والا آدمی نہیں کر سکتا...یہ تو صوفیائے کاملین و محققین کا کام ہے جنہوں نے اس کو خود حاصل کیا ہو، برتا ہو اور اُس کے لئے اپنی زندگی وقف کی ہو۔ہمیں اسٹاک ایکسچینج کے شیئرز کے بارے میں فتویٰ درکار تھا تو پورے پشاور میں کوئی مفتی نہیں تھا کہ اس کو بیان کر سکے کیونکہ اس کو پڑھا ہی نہیں ہوا تھا۔جناب مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہٗ اسلامی معاشیات اور اقتصادیات کے عالمی سطح کے ماہر ہیں اُن سے پوچھنے پر مسئلہ حل ہوا۔کیونکہ اُنہوں نے اِس چیز کو سیکھ کر اس کے لئے زندگی وقف کر کے اس میں مہارت حاصل کی ہوئی تھی اور باطن میں باطنی حقائق کا سیکھ کر اُس کے مطابق عمل کرنا یہ بات تو ان فتوؤں سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔

صبر کا، عاجزی کا سب سے زیادہ مظاہرہ کرنا .....یہ طاقت والے کے ذمے ہوتا ہے جن کے پاس طاقت ہے:

فرمایا کہ تواضع تو مالدار آدمی، برسرِ اقتدار آدمی کو کرنی چاہئے،اس کے ساتھ اچھی لگتی ہے۔غریب

آدمی تواضع نہیں کرے گا تو کیا کرے گا۔لہٰذا صبر کا، عاجزی کا سب سے زیادہ مظاہرہ کرنا یہ طاقت والے کے ذمے ہوتا ہے جن کے پاس طاقت ہے، وہ صبر کرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں شاباش، واقعی یہ اعلیٰ آدمی ہے کہ اس کے پاس سب کچھ ہے لیکن پھر بھی یہ برداشت کرتا ہے پھر بھی یہ صبر کرتا ہے۔ایک مالدار ظالم جابر آدمی ایک غریب آدمی کو مارے گا تو غریب آدمی معاف ہی کرے گا اس نے اُن کو معاف ہی کرنا ہے اور کیا کرنا ہے۔معافی تو جب اقتدار والا آدمی کرتا ہے تو اُس کا مزہ ہے۔دیکھیں میں اپنی ساٹھ سالہ زندگی، چالیس سالہ دینی تحریکوں کا تجربہ اور بیرون ممالک میں پھرنے کا نچوڑ آپ کو آج دے رہا ہوں۔صبر، تحمل، برداشت ،معافی اور مذاکرات۔خدا کے لیے اتنے ظالم کبھی نہ بنیں کہ دس آدمی ایک غریب آدمی کو گھیر لیں اور کہیں کہ ہم اپنا دبدبہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔یہ تو کوئی غیرت کی بات نہیں، کوئی اعزاز کی بات نہیں۔اعزاز کی بات کیا ہے ؟وہ میں آپ کو بتا دوں۔شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک کافر کو پچھاڑا اور چڑھے اُس کے سینے پر اور نکالی تلوار اس کی گردن کاٹنے کے لیے، کافر نے اُن کے منہ پر تھوک دیا۔بس فوراً اُٹھ گئے، آدمی کو حیرت ہوئی، پوچھا آپ مجھ پر غالب آ گئے تھے اور قتل نہیں کیا؟ اُنھوں نے کہا پہلے میں اللہ کی رضا کی لیے قتل کر رہا تھا جب تو نے تھوک دیا تو مجھے غصہ آ گیا تو میرے نفس نے تجھے قتل کرنا چاہا، اس لیے میں نے تجھے چھوڑا۔بس آدمی آگے ہوا اور اسلام قبول کیا۔کیونکہ یہ عمل اعزاز والا تھا، غالب آنے کے بعد اُس اللہ کے شیر نے معاف کیا۔تو یہ علامتیں ہوتی ہیں عزت والے لوگوں کی، بڑے لوگوں کی، اُونچے لوگوں کی، اعزاز والے لوگوں کی، معافی اُن کی علامت ہوتی ہے۔جس آدمی میں معافی نہیں ہے تو یہ معزز آدمی نہیں ہے۔اس کو کوئی معزز نہیں سمجھتا۔دیکھ لیں محلّوں میں، گاؤں میں ایک غریب آدمی کو مالدار آدمی مار لیتا ہے، پٹائی کر لیتا ہے وہ بول نہیں سکتا ہے لیکن ہر گھر میں آدمی کہہ رہا ہوتے ہیں کہ فلانے نے زیادتی کی ہے (فلانے ڈیر زیاتی خور دے)۔

گلستان تو Wisdom of the East ہے۔حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے۔

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

ترجمہ: عاجزی تو ٹیڑھی گردن والوں کو کرنی چاہیئے، غریب آدمی اگر عاجزی کرے تو یہ تو اس کی خو اور عادت ہے۔

(جاری ہے)

حضرت اصحاب بابا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(پشتو سے اُردو ترجمہ از ''روحانی تڑون'' تصنیف عبدالحلیم اثر افغانی)

(مترجم جناب خوشحال صاحب)

حضرت اصحاب باباؓ رسول اللہ ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی ہے جن کا اسم مبارک حضرت سنان ابن سلمہ ابن محبق ہذلیؓ ہے۔ وہ ۴۵ھ میں پشاور کے علاقے راورزی میں کفار کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے اور اسی علاقے کے موضع مٹہ میں دفن ہیں۔ حضرت اصحاب باباؓ کا مزار مبارک عام اور خاص مسلمانوں کا مرجع ہے اور لوگوں کو ان کے مزار مبارک سے خاص عقیدت ہے۔ ان کا مزار مبارک اس علاقے میں ایک خاص حیثیت کا حامل ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ عام لوگ اس بات سے بے خبر ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے کونسے صحابی کا مزار ہے اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وادی پشاور میں ان کے آنے اور شہادت سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے آنے اور جنگوں کے حالات اختصار کے ساتھ بیان کئے جائیں۔ اس سلسلے میں میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن علاقوں کو آج کل جغرافیائی، طبعی اور سیاسی طور سے ایران، افغانستان، سرحد (خیبر پختونخواہ)، پنجاب، سندھ اور بلوچستان کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے آنے کے وقت ان کو ایران، کرمان، مکران، سیستان، طخارستان، کابل، زابل، خراسان، زرنج، قفص، روہ، توران اور سندھ کہا جاتا تھا۔ وادی پشاور کا نام ۱۲۰۰ ق م میں روہ تھا اور ۲۵۶ ق م کے بعد یہاں پر بدھ مت کو عروج حاصل ہوا۔ اس لئے اس علاقے کو کچھ دوسرے علاقوں سے ملا کر بدھیہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق بدھیہ کا حدود اربعہ باجوڑ سے لے کر قلات تک اور کوئٹہ سے سندھ تک تھا۔ تاریخ کامل ابن اثیر کے مطابق ایران، کرمان، اور سیستان تینوں ملک ۲۴ھ تک حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں فتح ہوئے۔ سن ۲۲ھ میں ایران مکمل طور سے فتح ہوا تو حضرت عبداللہ ابن عبداللہ ابن ربیعؓ کی قیادت میں کرمان، سیستان اور مکران یکے بعد دیگرے فتح ہوئے۔ کچھ دنوں بعد ان علاقے کے لوگوں نے بغاوت کی تو سن ۲۳ھ میں حضرت سہل ابن عدیؓ اور حضرت عبداللہ ابن عبداللہ ابن عتبانؓ کی قیادت میں مکران دوبارہ فتح ہوا۔ جبکہ حضرت عاصم ابن عمرؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمیرؓ کی قیادت میں سیستان دوبارہ فتح ہوا۔ حضرت حکم ابن عمر تغلیؓ کی قیادت میں مکران کا باقی علاقہ فتح ہوا۔ ان

فتوحات کے بعد حضرت عمر فاروق ؓ کے حکم کے مطابق پیش قدمی روک دی گئی۔ سن ۲۴ھ میں جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت عبداللہ ابن عامر ابن کریز ؓ کی قیادت میں ۲۵ھ میں کابل فتح ہوا۔ لیکن جب مسلمانوں کا لشکر واپس ہوا تو لوگوں نے بغاوت کی۔ سن ۲۸ھ میں حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہ ابن حبیب قریشیؓ کی قیادت میں کابل دوبارہ فتح ہوا۔ ''افغانستان و یک نگاہ اجمالی'' نامی کتاب کے مطابق کابل کے لوگوں کی تعلیم کے لئے حضرت عبدالرحمٰن ابن تمیم ؓ اور حضرت جبیر ؓ کو مقرر کیا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد کابل کے بادشاہ نے ان دونوں صحابہ کو بے خبری میں شہید کر دیا۔ ان دنوں کے مزارات کابل کے شہر میں ہے اور '' شہدائے صالحین '' کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ سن ۲۹ھ میں حضرت عبداللہ ابن عامر ؓ کی جگہ حضرت ابوموسٰی اشعریؓ سارے مشرقی ملکوں کے حاکم مقرر ہوئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمیر ؓ کو سیستان کا حاکم مقرر کیا اور ان کی سربراہی میں کابل تیسری دفعہ فتح ہوا۔ (کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۷۷) اسی طرح ۲۹ھ میں مکران کا علاقہ ایک دفعہ پھر حضرت عبداللہ ابن معمو ؓ کی قیادت میں فتح ہوا۔ جبکہ کرمان کو حضرت عبدالرحمٰن ابن عبیس ؓ نے دوبارہ فتح کیا۔ سیستان کی حکومت حضرت ربیع ابن زیاد ؓ کو اور کرمان کی حکومت حضرت مجاشع ابن مسعود ؓ کو سونپی گئی۔ اور حضرت ابن معوذ ؓ خود خراسان کی طرف جہاد کی نیت سے تشریف لے گئے۔ حضرت مجاشع ابن مسعود ؓ کرمان سے افغانی سیستان کی طرف جہاد کے لئے روانہ ہوئے اور موجودہ قلات اور رورمندے کے علاقے فتح کرنے کے بعد موجودہ خوست کے علاقے بھی فتح کئے۔ انہوں نے یہاں عرب غازیوں کے کچھ خاندان آباد کئے۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۰) اس کے بعد حضرت ربیع ابن زیاد ؓ کی سربراہی میں افغانی سیستان یعنی موجودہ جنوبی افغانستان اور پاکستان کے ڈیرہ ڈویژن، قبائلی علاقے اور بلوچستان کے شمالی اور شمالی مغربی علاقے بھی فتح ہوئے۔ کچھ عرصے بعد حضرت ربیع ابن زیاد ؓ خراسان کے حاکم اعلیٰ حضرت عبداللہ ابن عامر ؓ کے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تو مقامی لوگوں نے بغاوت کی اور مسلمانوں کے مقرر کئے ہوئے حاکموں کو اپنے علاقوں سے نکال لیا۔ جب حضرت عبداللہ ابن عامر ؓ کو اس واقعے کی خبر ملی تو انہوں نے حضرت عبداللہ ابن سمرہ ابن حبیب قریشی ؓ کو اس علاقے کا حاکم مقرر کیا۔ چونکہ حضرت ابن سمرہ ؓ ایک تجربہ کار آفیسر تھے اور رسول اللہ ﷺ کے صحبتِ یافتہ تھے اور اس سے پہلے ۲۸ھ میں انہوں نے کابل فتح کیا تھا، اس لئے انہوں نے آتے ہی زرنج شہر فتح کیا اور اس کے بعد زرمل، برمل اور کوہ کسہ کے علاقے یعنی آج کل کے جنوبی افغانستان اور پاکستان کے ڈیرہ ڈویژن، شمالی اور جنوبی وزیرستان،

کوئٹہ، فورٹ سنڈیمین کو فتح کیا۔ان علاقوں کو فتح کرنے کے بعد انہوں نے میدانی علاقوں کا رخ کیا اور بنوں، ڈیرہ اسماعیل خان اور کوہاٹ کو فتح کرنے بعد وادی کرم کے راستے واپس ہوئے او کابل ،غزنی اور قندھار کے علاقے فتح کئے اور اپنے دارالحکومت زرنج واپس ہوئے۔اس اعتبار سے صوبہ خیبر پختونخواہ، جنوبی اضلاع اور ملحقہ قبائلی علاقے ،بلوچستان کا کوئٹہ ڈویژن اور افغانستان کے جنوبی علاقے پہلی مرتبہ مکمل طور پر حضرت عبداللہ ابن سمرہ ابن حبیب قریشیؓ نے ۲۹ھ میں فتح کئے تھے۔یہ حضرت عثمانؓ کا دورِ خلافت تھا۔سن ۳۵ھ میں جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت ربعی ابن کاس غبدیؓ نے سیستان کا سارا علاقہ دوبارہ فتح کیا اور ثابت بن دعوراؓ کی سربراہی میں جنوبی افغانستان اور قلات کے علاقے فتح ہوئے۔سن ۴۰ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت امیر معاویہؓ امیر ہوئے تو سن ۴۲ھ میں حضرت حارثؓ نے بلوچستان کے علاقے (قیقان) پر ایک سخت حملہ کیا اور اس میں اپنے اکثر غازیوں سمیت شہید ہوئے۔ ان کے شہادت کے بعد حضرت عبداللہ ابن سوارؓ ان علاقوں کے فتح کے لئے مقرر ہوئے۔حضرت عبداللہ ابن سوارؓ نے اپنے چار ہزار غازیوں سمیت مکران کو فتح کیا۔یہاں کچھ مہینے گزارے اور اس کے بعد قلات کے باقی علاقوں کو فتح کیا۔قلات کے فتح کے بعد حضرت عبداللہ بن سوار عبدیؓ واپس دمشق (شام) تشریف لے گئے۔کچھ عرصہ بعد حضرت عبداللہ ابن عبدیؓ واپس تشریف لائے اور تاریخ یعقوبی جلد ا صفحہ ۲۷۸ اور تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۳۶۶ کے مطابق مقامی ترک قوم کے ہاتھوں اپنے چار ہزار غازیوں سمیت شہید ہوئے اور ان سب کے مزار قلات میں ہیں۔دوسری طرف حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہؓ جب کابل کے فتح سے فارغ ہوئے تو اپنے فوج کے ایک بہادر غازی اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت مہلب ابن ابی صفرہؓ کو مسلمانوں کی ایک بڑے فوج کا امیر مقرر کیا۔ وہ کابل ننگرہار کے راستے درہ خیبر آئے اور اسی کو فتح کیا۔اس کے بعد وادی پشاورہ آئے اور اس علاقے کو فتح کیا۔اس کے بعد اٹک کے پار گئے اور ملتان تک پنجاب کے شمالی اور جنوبی علاقے فتح کئے ۔اس کے بعد سندھ کے شمالی علاقے اور بلوچستان کا کوئٹہ ڈویژن فتح کیا۔قلات کے مقام پر ترک قوم سے ان کی سخت جنگ ہوئی اور یہاں بھی ان کو فتح ہوئی۔تاریخی اعتبار سے حضرت مہلب ابن ابی صفرہؓ رسول اللہ ﷺ کے پہلے صحابی ہیں جن کی سربراہی میں ۴۴ھ میں درہ خیبر کے راستے وادی پشاور فتح ہوا اور اس علاقے میں **لا الہ اللہ محمد رسول اللہ** کا نعرہ بلند ہوا۔یہ بات بھی واضح ہے کہ حضرت مہلب ابن ابی صفرہؓ کے ہاتھوں پنجاب اور پشاور کے علاقے فتح

ہوئے ہیں اوران کے لشکر میں صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ان جنگوں میں بے شمار صحابہ کرامؓ شہید ہوئے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ پشاور ڈویژن کے علاقوں میں جہاں پرانے کھنڈرات ہیں، وہاں پر شہیدوں کے مزارات بھی ہیں اور یہ ممکن ہے کہ یہ ۴۴ھ کے پہلے جہاد کے شہیدوں کے مزارات ہوں۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سوارؓ سن ۴۲ھ میں قلات کے مقام پر اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہوئے اس واقعے کے دوسال بعد سن ۴۴ھ میں خراسان کے حاکم اعلیٰ حضرت زیادؓ نے حضرت عبداللہ ابن سوارؓ کی مہم کو پورا کرنے کے لئے حضرت سنان ابن سلمہ ابن محبق ہذلیؓ کو مقرر کیا۔تاریخ بلازری ص ۴۳۲ کے مطابق حضرت سنانؓ بہت بڑے عالم اور خوفِ خدار کھنے والے انسان تھے۔ جب وہ ہندوستان کے سرحد تک پہنچے تو مکران کے لوگوں نے بغاوت کردی تھی حالانکہ ان سے پہلے حضرت حکم ابن جبلہؓ نے ان علاقوں کو فتح کیا تھا۔حضرت سنانؓ جب پہنچے تو انہوں نے نہایت بہادری سے ان علاقوں کو دوبارہ فتح کیا اور ان علاقوں کے تعمیر وترقی کے لئے کافی اقدامات کئے۔ کچھ عرصہ کے بعد خراسان کے حاکم اعلیٰ حضرت زیادؓ نے حضرت سنانؓ کی جگہ حضرت راشد ابن عمر جدیدیؓ کو ان علاقوں کا حکمران مقرر کیا،لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد قلات سے واپسی پر مندڑ اور بھروچ قبیلوں کے پہاڑوں کے درمیان مید نامی قوم کے پچاس ہزار لوگوں سے ان کا مقابلہ ہوا اور اسی جنگ میں شہید ہوئے۔حضرت راشد ابن عمرؓ کے شہادت کے بعد حضرت سنانؓ اسلامی فوج کے امیر مقرر ہوئے اور اس سارے علاقے کے حکمران ہوئے۔حضرت سنانؓ نے قلات اور کوئٹہ کے باقی علاقے فتح کئے اور دوسال یہاں گزارے جس میں حضرت سنانؓ نے امن وامان قائم کرنے کے مستحکم انتظامات کئے۔اس کے بعد وہ جنوبی وزیرستان اور ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف گئے اور وہ علاقے بھی فتح کئے۔بنوں اور کوہاٹ فتح کرنے کے بعد وہ وادی پشاور پہنچے۔پشاور کو فتح کرنے کے بعد بدھیہ کے شمالی سمت میں مٹہ اور میچنی کے مقام پر وادی پشاور اور قبائلی علاقوں،مہمند، باجوڑ اور سوات وغیرہ کے بدھ مذہب کے ایک بڑے لشکر سے ان کی سخت جنگ ہوئی اور اسی جنگ میں وہ اپنے غازیوں سمیت سن ۴۵ھ میں شہید ہوئے۔تاریخی اعتبار سے حضرت سنانؓ رسول اللہ ﷺ کے وہ پہلے صحابی ہے جنہوں نے مجاہدین اسلام کے امیر کی حیثیت سے وادی پشاور میں اسلام کی روشنی پھیلائی اور ان کا مزار مبارک معلوم ہے۔اسی طرح اس سرزمین پر ان کا مزار مبارک پہلا "گنج شہداء" ہے۔ان کے بڑے مزار میں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے شہداء دفن ہیں۔

فنا فی المال۔ ھائے پیسہ وائے پیسہ (قسط۔۴)

(ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر آف میڈیسن، کوہاٹ میڈیکل کالج)

میں ایک دکان میں سودا لینے کے لئے داخل ہوا تو سامنے ہر شیشے پر عورتوں کے پوسٹر لگے ہوئے تھے جو کسی خوراک کے اشتہار تھے۔اس دکاندار سے پہلے سے سلام دعا تھی۔ میں نے سلام کے بعد عرض کی ''یہ تصویروں والے اشتہارات لگانے کی آپ کو کیا ضرورت پیش آئی جب کہ آپ کی دکان میں گاہکوں کی آمد ورفت کافی ہے۔ جو بھی آپ کی دکان میں داخل ہوگا، پہلے ان پر نظریں دوڑائے گا۔خود بھی گناہ گار ہوگا اور آپ کو بھی اس گناہ کا عطیہ بھیجے گا۔سودا آپ حلال طریقے سے بیچ رہے ہیں لیکن جب تک دکان کھلی ہوئی ہے، آتے جاتے لوگوں کے گناہ کا ذریعہ آپ بن رہے ہیں'' اس نے جواباً مسکرا کے کہا کہ ''کمپنی والے لگا کے چلے گئے ہیں۔ جب اپنی چیزیں یہاں دینے آتے ہیں تو کمپنی کے اشتہار بھی لگا جاتے ہیں۔ہم انہیں کیا کہہ سکتے ہیں۔لوگوں کو متوجہ کرنے کیلئے ان پر تصویریں لگائیں ہوتی ہیں۔ کمپنی کی طرف سے ان اشتہارات کو لگانے کے لئے کچھ اضافی مراعات بھی کبھی کبھی ہمیں دی جاتی ہیں۔اس وجہ سے ہم انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے ۔آپ کہتے ہیں تو میں انہیں ہٹا دیتا ہوں۔'' میں نے ان اشتہارات کو ہٹانے کا کہہ دیا کہ فحاشی کو پھیلانے میں آپ حصہ دار نہ بنیں اور اس گناہ کے ذریعے مال کو حاصل نہ کریں تو یہ آخرت کا فائدہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔''جو شخص گناہ کے ذریعے مال حاصل کرے، پھر اس مال سے صلہ رحمی کرے یا صدقہ میں دے دے یا اللہ کی راہ میں خرچ کر دے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کر کے دوزخ میں ڈال دے گا '' (ابوداؤد فی المرسل ۔قاسم ابن مخیمرہؒ احیاء العلوم) حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں، ''بے حیائی کی باتیں کرنے والا اور ان کی اشاعت کرنے والا اور پھیلانے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔'' (الادب المفرداز اسوہ رسول اکرم ﷺ)

میں نے اس دکاندار صاحب سے اس کی اس سوچ کی اصلاح کرنے کا کہا جس سوچ سے حلال تجارت حرام کے زمرے میں بدل جاتی ہے۔اس وقت اس کے اور میرے علاوہ دکان میں کوئی نہیں تھا اس لئے اس نے باتیں توجہ اور دھیان سے سنیں۔ میں نے مزید کہا کہ ہر آنے جانے والا ان عورتوں کی تصویروں پر ایک سے زیادہ دفعہ گناہ کی لذت حاصل کرتا ہے اور اس گناہ میں آپ برابر کے شریک ہیں۔ حدیث

شریف میں ہے "حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "دونوں آنکھوں کا زنا (شہوت سے) نگاہ کرنا اور ہاتھ کا زنا (شہوت سے) کسی کا ہاتھ وغیرہ پکڑنا اور پاؤں کا زنا (شہوت سے) قدم اٹھا کر جانا ہے اور قلب کا زنا یہ ہے کہ (شہوت سے) وہ خواہش کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے۔" (مسلم ۔حیات المسلمین) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تجارت ایک کسوٹی ہے اس لئے تجارت شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت اور عقیدے کی اصلاح ضروری ہے۔ باطل عقیدے کے ساتھ دینی غیرت ختم ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر دنیا کے مفاد کو انسان لے کر اپنی آخرت تباہ کر دیتا ہے۔"

میں ایک کینٹین میں کسی چیز کو لینے کے لئے داخل ہوا تو اندر گانے کی آواز کانوں میں پڑی۔ لوگوں کو اپنی نظریں اونچی کیئے ہوئے اوپر ایک کونے میں ٹی وی (ٹی بی) کے ڈبے کی طرف ہمہ تن متوجہ دیکھا، ساتھ وہ چائے اور باقی لوازمات نوش فرما رہے تھے۔ میں ٹھیکیدار صاحب جو کینٹین کا بڑا تھا، اس کی طرف متوجہ ہو کر اس گانوں کو بند کرنے کا کہا۔ چونکہ وہ مجھے پہلے سے جانتا تھا، اس لئے احتراماً بند کر دیا۔ کچھ چیزیں خرید کر میں واپس ہوا، جونہی باہر نکلا، گانے دوبارہ شروع ہو گئے۔ میں نے دل میں سوچا کہ اس ٹھیکیدار صاحب سے پھر کبھی ملاقات علیحدگی میں کر کے اس جگہ اس پلیدی سے صاف کرنے کا کہہ دوں گا۔ وہ ظہر کی نماز ہمارے ساتھ پڑھتا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد میں نے سلام کر کے کہا کہ آپ کے پاس کچھ وقت ہو تو کچھ گزارشات عرض کر دوں، میرا بھی فائدہ ہو گا اور آپ کا بھی۔ اس نے جواباً کہا "ضرور" میں نے کہنا شروع کیا کہ " ایک مہربانی تو آپ یہ کریں کہ کینٹین کے ساتھ جو پیپسی کا اشتہار ہے اس پر ایک عورت اور ایک مرد کی تصویر کچھ دنوں سے نظر آ رہی ہے اس کو ہٹا دیں۔ مرد عورت کا اکھٹے تصویر میں آنا شہوت کو ابھارتا ہے اور سب کی بدنظری کا سبب ہے۔ دوسرا آپ ہندوستان کے پروگرام لوگوں کو سناتے ہیں اور گانے بھی، یہ بھی حرام ہیں۔ لوگ فضول بیٹھے ہوتے ہیں، جو رزق آپ کا مقرر ہے، وہ مل کر رہے گا اور جنہوں نے آپ سے خوراک وغیرہ لینی ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کے پاس کھینچ کر لائے گا۔" اس نے جواب میں کہا کہ آپ کی بات درست ہے لیکن کیا کروں یہ پیپسی والے ان اشتہارات کے بدلے کچھ اضافی مراعات بھی دیتے ہیں جس کی بدولت ہم انہیں آزادی دیتے ہیں کہ اپنے اشتہارات جہاں چاہے لگائیں اور دوسری ٹی وی کی بات تو یہ نہ لگائیں اور گانے وغیرہ لوگوں کو نہ سنائیں تو لوگ ہمارے پاس نہیں آئیں

گے۔ پھر ہم منافع اپنے خرچ کردہ رقم پر کیسے حاصل کرسکیں گے۔ آج کل تو تجارت کے ساتھ ضروری ہوگئی ہیں سب ہی اسی طرح کرتے ہیں۔'' اس نے مزید دلائل دیئے جو اس کے بقول درست تھے۔ میں اس کی باتوں پر حیران ہوتا چلا گیا۔ حال ہی میں وہ ٹھیکیدار صاحب حج کر کے واپس آئے تھے۔ مجھے اپنے حضرت کی بیان کردہ بات یاد آئی کہ نماز پڑھنا آسان ہے، حج کرنا آسان ہے، لمبے لمبے وظیفے پڑھنا آسان ہے لیکن دنیا کے مفاد پر اللہ کے حکم کو ترجیح دینا ایمانی قوت کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے۔ فضائل صدقات میں ہے، ''حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض لوگ قیامت کے دن اتنے زیادہ اعمال لے کر آئیں گے جیسا کہ ملکِ عرب کے پہاڑ، لیکن وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ لوگ نمازی ہوں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا نمازی ہوں گے، روزہ دار بھی ہوں گے بلکہ تہجد گزار ہوں گے لیکن جب دنیا کی کوئی چیز (دولت وغیرہ) ان کے سامنے آجائے تو ایک دم اس پر کود پڑتے ہیں (جائز ناجائز کی بھی پرواہ نہیں کرتے) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا منتہائے مقصد دنیا ہو جائے اس کو اللہ تعالیٰ شانہ سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور اس کو حق تعالیٰ شانہ چار چیزوں میں مبتلا فرما دیتے ہیں۔ ۱۔ ایک ایسا غم جو کبھی ختم نہ ہو (کہ ہر وقت آمدنی کے بڑھانے کی فکر میں لگا رہے گا) ۲۔ ایک ایسا شغل جس سے کسی وقت بھی فارغ نہ ہو۔ ۳۔ ایک ایسا فقر جو کبھی بھی مستغنی نہ بنائے (کہ جتنی آمدنی بڑھتی جائے اتنا ہی خرچ زیادہ ہو کر آمدنی کم معلوم ہو)۔ اور ۴۔ ایسی لمبی لمبی امیدیں جو کبھی بھی پوری نہ ہوں۔''

آج کل تجارت اور پیسہ کمانا دین کے تقاضوں کے مطابق ہونا شیطان نے مشکل بنا دیا ہے اور لوگ حرام کاموں کو بھی حلال سمجھنے لگے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں یہ الفاظ ہیں۔'' ما امن بالقرآن من استحل محارمہ '' (جو شخص قرآن کے حرام کردہ کاموں کو حلال سمجھے وہ قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتا۔) (از احیاء العلوم) سرورِ عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں '' کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ مخلوق سے باری تعالیٰ کا غضب دور کرتا ہے تاوقتیکہ وہ لوگ دنیا کے معاملات کو آخرت پر ترجیح نہ دیں '' (ابو یعلی، بیہقی، انسؓ از احیاء العلوم) چنانچہ جب تک وہ دین کی سلامتی کے عوض میں دنیا کے نقصان کو برداشت کے لئے تیار نہ ہوں لیکن لا الٰہ الا اللّٰہ کہتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ''کذبتم لستم بھا صادقین'' (حکیم، ترمذی فی النوادر۔ انسؓ) (تم نے جھوٹ بولا ہے، تم اس کلمہ کہنے میں سچے نہیں ہو) (از احیاء العلوم

جلد دوم ص ۱۲۸) میں ٹھیکیدار صاحب سے دعا سلام کر کے رخصت ہوا۔ راستہ میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں اس بندے سے یہ کہہ دیتا کہ کوئی گندگی کا اڈہ چلانا زیادہ بہتر ہوتا اس کینٹین چلانے سے، کیونکہ کم از کم اُس کے چلانے میں اپنے آپ کو گناہ گار تو سمجھتا تاوقتیکہ توبہ کی توفیق ہوجاتی لیکن یہ تو غیرتی آدمی کیلئے گالی ہے نہ کہ بے غیرت کے لئے۔ فحش چیزیں دیکھ دیکھ کر سب سے پہلی چیز جو رخصت ہوتی ہے وہ دینی غیرت ہے علاوہ باقی روحانی نقصان کے۔ ہم نے روپے پیسے کو الٰہ (نعوذباللہ) بنا رکھا ہے اپنی اپنی نفسانی خواہشات پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''اے پیغمبر ﷺ! آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی ہے جس نے اپنا خدا اپنی خواہشِ نفسانی کو بنا رکھا ہے۔ سو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں یا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں، یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔'' (پ۲ آیت ۴۴)

میں ایک دفعہ سبزی لینے کے لئے دکان پر گیا سبزی کی دکان نسبتاً بڑی تھی۔ چونکہ سبزی ہفتہ بھر کی لینی ہوتی تھی، اس لئے زیادہ سبزی لینے کا ارادہ تھا۔ میں نے ایک ایک چیز کا نرخ معلوم کر کے سبزی تولنے کا کہا۔ ظاہراً پڑی ہوئی سبزی تازہ اور صاف معلوم ہوئی۔ میں سبزی خریدتے وقت دکاندار کا لحاظ کرتا ہوں کہ وہ اپنی مرضی کی ڈالے مبادا میرے ڈالنے پر اس کے دل پر بوجھ نہ آئے۔ ساتھ کہہ بھی دیتا ہوں کہ گندی اور سڑی ہوئی چیزیں نہ ڈالیں۔ باقی اس کی مرضی ہوتی ہیں۔ اس سبزی فروش نے میرے کہنے پر سبزی ڈالنی شروع کی۔ میں غور سے دیکھتا رہا۔ ظاہراً مجھے لگا کہ وہ سبزی ٹھیک ہی ڈال رہا ہے۔ میں سبزی کے تھیلے اٹھا کر پیسے ادا کر کے روانہ ہوگیا۔ ساتھ ہی ریڑی والا کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ مجھے اس کی حالت دیکھ کر دل میں خیال آیا کہ اس سے پھل خرید کر اس کو بھی معاشی فائدہ دیتا جاؤں۔ میں اس سے پھل خرید کر واپس گھر پہنچا۔ سبزی کو تھیلے سے نکال کر جب علیحدہ کرنے لگا تو کچھ خراب کچھ ٹھیک نکلی۔ پھل جو خریدے تھے، ان میں بھی نقص کافی تھے۔ دل میں دکھ ہوا اور اس حقیقت کا ادراک ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حلال رزق میں برکت رکھی ہے اور تجارت اگر خلوص سے ہو تو روز بروز اللہ تعالیٰ ترقی نصیب کرتا ہے لیکن ان ریڑھی والوں اور اکثر سبزی فروشوں یا باقی کاروبار کرنے والوں کی روزی میں برکت اس لئے نہیں ہوتی کہ یہ دھوکہ دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے، اس لئے یہ جوں کے توں ساری زندگی خوار ہوتے رہتے ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں، ''

تمام چھوٹے بڑے عیوب سے خریدار کو آگاہ کرنا واجب ہے۔ اگر آگاہ نہ کیا تو ظالم اور دھوکہ باز اور معاملات میں خیر خواہی کا تارک کہلائے گا۔ حالانکہ دھوکا دینا حرام ہے اور خیر خواہی واجب ہے۔" آنحضرت ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے، وہ غلہ فروخت کر رہا تھا، آپ ﷺ کو وہ غلہ پسند آیا، مگر ڈھیر کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا تو وہ بھیگا ہوا ملا۔ دریافت فرمایا کہ یہ غلہ اندر سے کیوں بھیگ رہا ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ بارش سے بھیگ گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ایسا تھا تو یہ بھیگا ہوا غلہ اوپر کی طرف رکھتے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا "من غشنا فلیس منا" (مسلم۔ ابو ہریرہؓ) (جو ہمیں دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔ خیر خواہی کا وجوب اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے جریرؓ سے اسلام کا عہد لیا اور وہ عہد سے فارغ ہو کر واپس ہونے لگے تو آپ ﷺ نے ان کا کپڑا پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اس عہد کی تکمیل کے لئے یہ شرط بھی لگائی کہ ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی اختیار کرنا۔ چنانچہ حضرت جریرؓ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی چیز فروخت کرتے تو خریدار کو اس کا ہر عیب بتلا دیتے۔ اس کے بعد اختیار دیتے کہ چاہے تو یہ لے لو۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تجارت کیسے چلے گی۔ فرمایا کہ ہم نے سرکار دو عالم ﷺ کے دستِ مبارک پر یہ عہد کیا ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کریں گے۔" امام غزالیؒ فرماتے ہیں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عیوب کے اظہار سے تجارت چل نہیں سکتی، اگر بالا اتفاق کوئی چیز خراب ہو جائے تو اسے اپنے استعمال کے لئے رکھ لے یا عیب ظاہر کر کے کم نفع پر فروخت کر دے۔ کم پر قناعت بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیں گے۔ عیوب کا اظہار اس لئے دشوار ہے کہ لوگ کم پر قناعت نہیں کرنا چاہتے اور زیادہ فریب کے بغیر نہیں ملتا۔ اگر کوئی شخص اس پر چلنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اسے معاملات ہی نہیں کرنے چاہئیں اور معاملات کرے تو اسے آخرت کے عذاب کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

(جاری ہے)

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاء اللہ ۲۲ مارچ بروز جمعرات کوہاٹ کے علاقہ کڑی شیخان میں منعقد ہوگا۔ ساتھی براہ راست بھی پہنچ سکتے ہیں اور جمعرات کو ظہر کے بعد خانقاہ سے بھی گاڑیاں جائیں گی۔ بیان مغرب کے بعد ہوگا۔